خیرآباد کا پانچ سو سالہ سفر

عینی مشاہدات، قلبی واردات اور تاریخی تخیلات پر مبنی ایک سفر

ذیشان احمد مصباحی

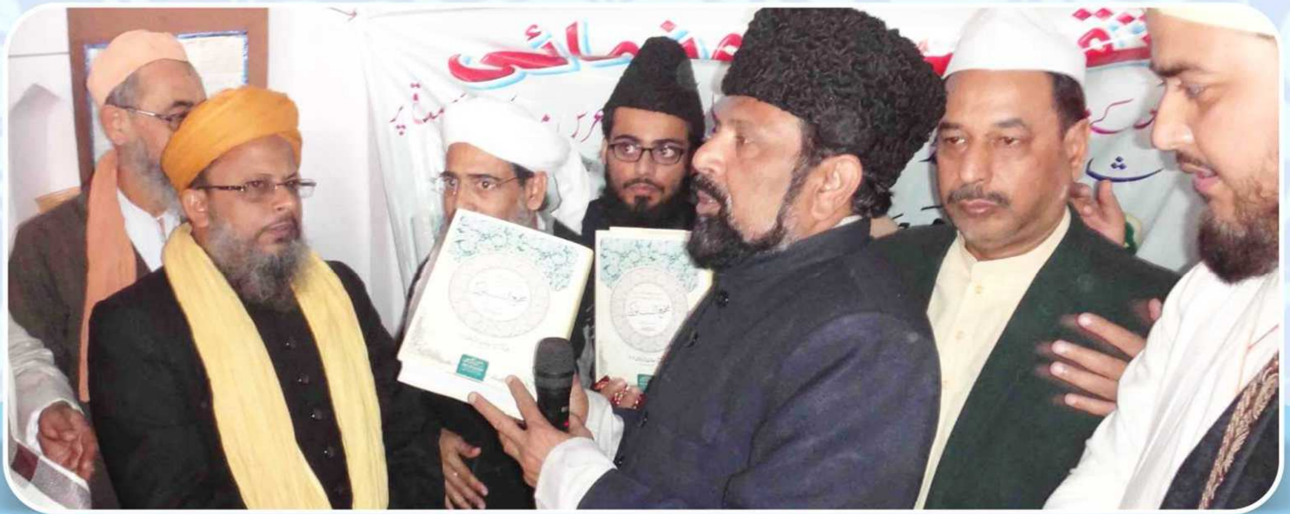
شاہ صفی اکیڈمی
SHAH SAFI ACADEMY
A CENTRE FOR RESEARCH ON ISLAMIC STUDIES AND SUFISM



نماز جمعہ سے پہلے صاحب زادہ داعی اسلام شیخ حسن سعید صفوی مجمع السلوک اور اس کے مصنف کے تعلق سے بیان دیتے ہوئے



صاحب زادہ داعی اسلام شیخ حسن سعید صفوی رسم اجرا سے پہلے افتتاحی کلمات پیش کرتے ہوئے



مجمع السلوک کے رسم اجرا کا ایک منظر



محفل سماع کا ایک حسین منظر

خیرآباد کا پانچ سو سالہ سفر

[عینی مشاہدات،قلبی واردات اور تاریخی تخیلات پر مبنی ایک سفرنامہ]

ذیشان احمد مصباحی

شاہ صفی اکیڈمی، خانقاہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد

سلسلۂ مطبوعات شاہ صفی اکیڈمی (۱۳)
©جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

کتاب:	خیرآباد کا پانچ سو سالہ سفر
تحریر:	ذیشان احمد مصباحی
تقدیم:	مولانا حسن سعید صفوی
سال اشاعت:	جنوری ۲۰۱۷ء/ ربیع الآخر ۱۴۳۸ھ
قیمت:	۳۰/روپے
ناشر:	شاہ صفی اکیڈمی، جامعہ عارفیہ/ خانقاہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد (یوپی)

Khairabad Ka Panch Sau Sala Safar
by: Zishan Ahmad Misbahi
Published by: **Shah Safi Academy**, Jamia Arifia
Saiyed Sarawan, Kaushambi, Allahabad U.P.(India)211001
Ph:9312922953/9026981216-Email:shahsafiacademy@gmail.com

قد أفلح من تزكى

انتساب



عہد وسطیٰ کے عظیم صوفی، فقیہ اور نحوی

مخدوم شیخ سعد الدین خیر آبادی قدس سرہ العزیز

اور

عصر حاضر میں ان کے نظری و فکری اور روحانی و اخلاقی وارث و امین

داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی دام ظلہ العالی

کے نام

جن کی ہر سانس احیائے تصوف کے لیے وقف ہے!

آئینۂ سفر

زادراہ

مولانا حسن سعید صفوی

باسمہٖ تعالیٰ جل مجدہٗ

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

عرصے سے نظروں کو ''مجددِ قرنِ عاشر، حافظِ حدودِ شریعت وآدابِ طریقت'' کی اس تحریر کی تلاش تھی جسے اکابرین کی تعریف وتوصیف اور ان کا اعتماد حاصل تھا، لیکن کبریت احمر جلد کب ہاتھ آتا اور جب پردۂ تقدیر سے وہ نمودار ہوا تو ایسا معلوم ہوا کہ ''یار درخانہ ومن گرد جہاں می گردم'' کا معاملہ ہوا۔

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست
آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید

اب اس کے ترجمے کا انتظار ہونے لگا اور یہ انتظار شدید سے شدید تر ہوتا گیا، حتیٰ کہ ''یارانِ وفا شعار'' کو شک وتردد کا سامنا ہوا کہ کہیں یہ ''دشمن کی اڑائی ہوئی بات'' تو نہیں!! لیکن شاید کاتبِ تقدیر کو اس مدت کو طویل کرنے سے اور ہی کچھ منظور تھا اور ایسا کچھ ہوا کہ قصد وارادے کے بغیر اس ترجمے کی پیش کش تاریخی ہوگئی۔ وہ اس طرح کہ صاحبِ کتاب کی وفات ۱۵۱٦ء میں ہوئی اور یہ کتاب ۲۰۱٦ء میں رو

پذیر ہوئی۔ اس طرح پانچ صدیاں مکمل ہوگئیں گویا کہ ایک صدی کا کام ایک سال کے عرصے میں مکمل کیا گیا اور کتاب مستطاب کی تقریبِ رونمائی آپ کے دیار میں آپ ہی کی بارگاہ میں رونق پذیر ہوئی۔

حضرت پیر و مرشد گرامی کو جو تعلق خاطر کتاب اور صاحب کتاب سے ہے اس کی ایک جھلک آپ کے اس کلام سے ظاہر ہے جو حضرت وارث الانبیاء والمرسلین قدس سرہ کی شان میں ہے۔ جس کا مطلع ہے:

مراد قلب ہر مرید شیخ سعد شیخ سعد
سکون وراحتِ مزید شیخ سعد شیخ سعد

اور مقطع ہے:

اگر ہے مجمع السلوک کسی کی ذات بے شکوک
تو بس فقط ابو سعید شیخ سعد شیخ سعد

مقطع میں جس خوبی سے کتاب اور صاحب کتاب کی عظمتوں کا اعتراف کیا گیا ہے وہ اہل نظر پر پوشیدہ نہیں۔ اس عظیم الشان کتاب کی اشاعت آپ کے اس خواب کی تعبیر ہے جو کتاب کی دستیابی سے سالوں قبل آپ نے رمز و کنایہ میں بیان فرمایا تھا۔

ویسے تو جملہ محبانِ صوفیہ کو بے پناہ مسرت و شادمانی ہوئی لیکن ان لوگوں کی کیفیت کا صحیح اندازہ لگانا دشوار ہوگا، جنھوں نے مسلسل ۵/۶ سال اس کتاب کے ساتھ گزارے۔ ترجمہ کیا، ترجمے کا اصل سے مقابلہ کیا، افادات لکھے اور تخریج و تحقیق وغیرہ کے تمام مراحل سے گزارا اور اس کام میں شب و روز ایک کیے۔ مولیٰ تعالیٰ ان مساعیِ جمیلہ کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور مزید کی توفیق عطا فرمائے۔

زیرِ نظر رسالہ انھیں اہلِ دل کے جذبات دروں کی عکاسی ہے، جسے برادرم مولانا ذیشان احمد مصباحی حفظہ اللہ نے اپنے جادو نگار قلم سے سپردِ قرطاس کیا ہے۔

مثل مشہور ہے کہ ''مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید'' لہٰذا اس پر مزید کچھ کہنا آفتاب کو چراغ دکھانے کے مثل سمجھتا ہوں۔

وارث الانبیاء والمرسلین مخدوم شیخ سعد الدین خیرآبادی قدس اللہ روحہٗ کے عرس مبارک میں خصوصی حاضری، مجمع السلوک شریف کی رونمائی اور دیگر کوائف و حالات کو آپ نے جس خوبی سے قلم بند کیا وہ آپ ہی کا خاصہ ہے۔ یہ تحریر جب حضرت پیر و مرشد گرامی مدظلہ العالی کی نظر سے گزری تو آپ نے اس قدر تحسین فرمائی کہ اسے مستقل ایک رسالہ کی شکل دینے کا حکم صادر فرمایا اور اس بے مایہ کو اس پر چند سطریں تحریر کرنے کا بھی حکم ہوا۔ چنانچہ حسب حکم اب یہ رسالہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

مزید دو تحریریں اس فقیر نے اس میں شامل کرنے کی گذارش کی۔ ایک تو حضرت پیر و مرشد کے محبوب و مسترشد خاص حضرت شاہ محبوب اللہ بقائی صاحب (نبیرہ حضرت مولانا شاہ بقاء اللہ صفی پوری رحمہ اللہ تعالیٰ) اور دوسری برادر طریقت، پیر و مرشد کے جاں نثار مولانا محمد مدبر سعیدی کی۔ اس کے ساتھ ہی ناظرین کی ضیافتِ طبع کے لیے ان متبرک و یادگار لمحات کے وہ مناظر بھی جنھیں کیمرے کی نظروں نے قید کر لیا تھا، شاملِ کتاب ہیں۔ امید ہے کہ اسے بھی قبولیت کی نظروں سے دیکھا جائے گا۔

حق تبارک و تعالیٰ ہمیں مزید کارِ خیر کی توفیق عطا فرمائے، انہیں شرف قبولیت سے نوازے اور حاسدین کے شر سے محفوظ رکھے۔

آمین بجاہ سید الاولین و الآخرین علیہ أفضل الصلاۃ و أکمل التسلیم!

فقیر ابو سعد حسن الصفوی غفرلہ

۲۸ ربیع الاول ۱۴۳۸ھ

خیرآباد کا ایک یادگار سفر

ایسے تو کئی بار خیرآباد شریف جانے کا شرف حاصل ہوا، لیکن ۱۵ر دسمبر ۲۰۱۶ء کا یہ سفر خاص ہونے کے ساتھ ساتھ تاریخی بھی تھا۔ اس کی وجہ سیدنا مخدوم شیخ سعد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب مجمع السلوک کی رونمائی تھی جو حقیقت میں آپ کے عرفان اور روحانیت کا چشمہ ہے۔ یہ بھی عجب اتفاق ہے کہ اس روحانی سفر کی ابتدا روحانی مقام خانقاہ عارفیہ اور روحانیت سے پر مخدومی حسن سعید صفوی، مولانا ضیاء الرحمن علیمی، مولانا ذیشان مصباحی، ڈاکٹر مجیب الرحمٰن علیمی اور مولانا غلام مصطفٰی ازہری وغیرہ کے ساتھ ہوئی۔ پورے سفر میں کتاب اور صاحب کتاب کا تذکرہ رہا جس نے اس مقدس بارگاہ میں پہنچنے سے پہلے ہی جذب وکیف کا ماحول گرم کر دیا اور سفر کب پورا ہو گیا خبر تک نہ ہوئی۔ اب سامنے آستانہ تھا اور دل کی تڑپ اور ذہن وخیال میں مرشد کا کلام:

یہ تڑپ یہ بے قراری یہ سعید آہ و زاری
ترے در پہ جو بھی ہوتا یہی اس کا حال ہوتا

پھر جب صاحب سجادہ نجم الحسن شعیب میاں اور ضیاء علوی صاحب سے ملاقات ہوئی تو اس ملاقات نے دل کی تپش اور بڑھا دی۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ان کے دل میں بھی۔ع

وہی آبلے ہیں وہی جلن ہے، کوئی سوز دل میں کمی نہیں ہے

دوسرے روز بعد نماز جمعہ ۱۶؍دسمبر ۲۰۱۶ء کتاب کی رونمائی کا وقت قریب آیا تو ایک عجیب منظر سامنے تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ مخدوم پاک کے فیض روحانی کی بارش ہو رہی ہے اور ہم سب اس سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔ رونمائی کے بعد ان لمحات نے پیاسوں کی پیاس کو بڑھایا بھی اور اس کو بجھانے کے لیے مجمع السلوک کی راہ میں بھی لا چھوڑا کہ جو جتنا اس راہ میں آگے نکلے گا اس کی اتنی ہی پیاس بجھے گی لیکن صاحب دل کی پیاس اور بڑھ جائے گی۔ بس یہ ناچیز اسی پیاس کے ساتھ اپنے پیر دست گیر شاہ احسان اللہ محمدی صفوی کے ساتھ اپنی منزل کی طرف لوٹ آیا اور پورے سفر میں صرف یہی دعا کرتا رہا کہ دل کی پیاس کم نہ ہو بڑھتی ہی رہے۔

خادم محبوب اللہ بقائی

خیرآباد کا پانچ سو سالہ سفر

ذیشان احمد مصباحی

اس دن جلد ہی سورج روشن ہو گیا تھا۔ اس صبح بالکل ہی کہرا نہیں تھا۔ ۱۱:۳۰ بجے ہم لوگ خیرآباد(۱) کے لیے روانہ ہو چکے تھے۔ حضرت شیخ نے اپنی دعاؤں اور نیک خواہشات کے ساتھ ہمیں رخصت کیا تھا۔ وہ بظاہر سنجیدہ مگر اندر سے کافی جذباتی تھے۔ ہم لوگ کل نو افراد تھے، ۲؍ڈرائیوروں کے ساتھ گیارہ ہو گئے تھے۔ آج پہلی مرتبہ نو دو گیارہ کا محاورہ دیکھنے کو ملا تھا۔ قافلے کی قیادت مخدومِ گرامی حضرت مولانا حسن سعید صفوی کر رہے تھے۔ ان کے ساتھ محبوب میاں، مولانا ضیاء الرحمٰن علیمی، مولانا مدبر اور راقم السطور تھے۔ دوسری گاڑی میں مولانا غلام مصطفیٰ ازہری، مولانا مجیب الرحمٰن علیمی، مولانا تابش اختر سعیدی اور اختر رضا تیواری تھے۔ خانقاہِ عارفیہ سے کسی بھی عرس میں شرکت کے لیے اس طرح کا با اہتمام قافلہ پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔

---

(۱) اودھ کے قصبات میں خیرآباد امتیازی حیثیت کا مالک ہے۔ اس قصبہ کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ تلاش و جستجو سے انکشاف ہوا ہے کہ راجہ بکرماجیت کے دور سے قبل یہاں آبادی موجود تھی۔ اس وقت اس کا نام چترریتھا تھا۔ پھر راجہ بکرماجیت کے عہد میں منسا دیوی کی مناسبت سے منسا چتر کے نام سے موصوم (موسوم) ہوا۔ مسواسی یہاں کا قدیم تالاب ہے جو اب بھی موجود ہے۔ یہ قصبہ سیتاپور سے چار میل کے فاصلہ پر جانب مشرق اور لکھنؤ سے ۴۷ میل کی مسافت پر مغرب (شمال) میں صوبائی شاہ راہ پر واقع ہے۔ (خیرآباد کی ایک جھلک، مصنفہ مفتی نجم الحسن رضوی، ص:۸)

حضرت شیخ یوں بھی اعراس میں کم ہی شرکت کرتے ہیں۔ اپنے مشائخ کے اعراس میں شرکت کے لیے ضرور جاتے ہیں، دو تین لوگوں کو ساتھ لیا، عرس کی محفل میں کچھ دیر بیٹھے اور واپس ہو گئے۔ ان کا معمول یہی ہے۔ لیکن یہ پہلا موقع تھا جب شیخ کی طرف سے ایسا اہتمام دیکھنے کو ملا اور یہ بلا وجہ نہیں تھا۔

لودی عہد کے عظیم صوفی، فقیہ، نحوی علامہ شیخ سعد الدین خیر آبادی ۱۵۱۶ء میں واصل بحق ہوئے تھے۔ اس اعتبار سے ۱۶ر دسمبر ۲۰۱۶ء کو خیر آباد میں ان کا پانچ سو سالہ عرس تھا، اگر چہ عربی تاریخ کے مطابق یہ ۵۱۶واں عرس تھا۔ حسن اتفاق کہ اسی موقع پر ان کی معرکہ آرا کتاب ''مجمع السلوک'' کی رونمائی یا نذر کشائی ان کی بارگاہ میں ہونی تھی۔ گذشتہ ۵۰۰ سال کے بعد اس کے مخطوطوں کی تلاش، سلیس اور سہل ترجمہ، جدید انداز میں تحقیق، تخریج، تحشیہ اور انڈیکس کے ساتھ اس کی پہلی اشاعت باسعادت خانقاہِ عالیہ عارفیہ کے نصیبے میں آئی تھی۔ ابوحنیفۂ وقت مولانا اعظم لکھنوی کے ممتاز شاگرد، قطب اودھ شاہ مینا کے مرید و خلیفہ، مولانا شاہ عبدالصمد عرف مخدوم شاہ صفی صفی پوری کے پیر و مرشد شیخ سعد کی عظمتِ واقعی کیا ہے، اس کا اعتراف عہد وسطیٰ کے مؤرخین کو ہے، البتہ ان کی کتاب مستطاب مجمع السلوک کی اشاعت سے متعلق مخدوم گرامی شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی دام ظلہٗ کے جذبات، تمنائیں، آرزوئیں کیا کچھ تھیں، اس سے خانقاہِ عارفیہ کے وابستگان ہی واقف ہیں۔ مدت سے شیخ اس کے عاشق نادیدہ تھے، گو فوائد سعدیہ (تلخیص مجمع السلوک، از قاضی ارتضا علی خان گوپاموی (۱۸۵۴ء) کے توسط سے مجمع السلوک سے سیراب ہو چکے تھے، تاہم اس سیرابی نے آسودگی کے بجائے شیخ کی تشنگی کو فزوں تر کر دیا تھا۔ صفی پور، خیر آباد، لکھنؤ اور دیگر مقامات میں برسوں سے اس کی تلاش جاری تھی۔ بالآخر ۲۰۱۰ء میں رضا لائبریری رام پور اور تکیہ کاظمیہ کاکوری سے اس کے دو قلمی نسخے دست یاب ہوئے اور

مولانا ضیاء الرحمٰن علیمی کو ترجمے کے لیے سپرد کر دیے گئے۔ مولانا کی دیگر مصروفیات اور موانع کے باوصف کل ایک سال کی قلیل مدت میں اس کا ترجمہ مکمل ہو گیا۔ اس کے بعد اس کی کمپوزنگ، ایڈیٹنگ، مراجعت، تحقیق، تخریج، تحشیہ، تزئین، تدوین، انڈیکس سازی، پیراگرافنگ، ابواب بندی، عنوان سازی، تسہیلِ زبان اور تنویرِ بیان میں پانچ سال صرف ہو گئے۔ پانچ سالہ ٹیم ورک کے بعد ۱۴۴۰ر صفحات پر مشتمل دو جلدیں پریس کے حوالے ہیں۔ آج ۱۵ر دسمبر تک اسے چھپ کر آ جانا چاہیے تھا، لیکن سمیر نے آخر میں بتایا کہ وہ بنفس نفیس کتابیں لے کر آج شام تک خیرآباد ہی پہنچے گا۔
''مجمع السلوک'' ایک کتاب نہیں، شیخ ابوسعید کے خوابوں کی تعبیر ہے، جسے جاگتی آنکھوں سے انھوں نے مدتوں پہلے دیکھا تھا۔ وہی خواب جس کی تعبیر سے وابستگانِ سلسلہ صفویہ مینائیہ بڑی حد تک ناامید سے ہو چکے تھے۔

ہماری کار جانب لکھنؤ شاہراہ عام پر پوری رفتار کے ساتھ دوڑ رہی تھی۔ ۲ر بجے کے قریب ہم رائے بریلی میں تھے۔ وہیں لذت کام و دہن سے لطف اندوز ہوئے۔ پورے سفر میں مختلف موضوعات زیرِ بحث رہے۔ دہلی سلطنت کے زوال کے بعد اودھ اور دیگر خطوں میں مسلمانوں کی مقامی حکومتوں کا قیام، ان خطوں میں اولیائے کرام کے غیر حکومتی اصلاحی اداروں کی تشکیل و تنظیم، شہر لکھنؤ میں حضرت شاہ مینا کی روحانی حکومت کا قیام، اس کی وزارت عظمیٰ پر شیخ سعد کی تقرری، شیخ سعد کی علمی، فکری، فقہی، روحانی عظمتوں کا چرچا، ان کی فقاہت واصول دانی کا ذکر، مجمع السلوک کی جامعیت، عصر حاضر میں اس کی اہمیت وضرورت وافادیت، اصلاحِ تصوف کے حوالے سے مجمع السلوک کے گراں مایہ نکات، ان علما کی تردید جو ہدایہ اور بزدوی کو تصوف سے بے نیاز کرنے والی کتابیں سمجھتے ہیں، ان مستصوفین کا رد جو خود کو شریعت سے ماورا سمجھتے ہیں، ان جاہل عقیدت مندوں پر تبصرہ جو اپنے پیروں کے حضور نذر

گزار کر فرائض وواجبات سے خود کو سبک دوش باور کر لیتے ہیں۔

ہماری کار میں محبوب میاں بقائی بھی تھے۔ آپ کا تعلق صفی پور سے ہے۔ حضرت بقاء اللہ شاہ کے پوتے ہیں اور ان دنوں اپنے ننہال مہوبا میں مقیم ہیں۔ حضرت شیخ ابوسعید دام ظلہٗ سے ان کی شناسائی ڈھائی عشروں پر محیط ہے۔ شیخ سے ملاقات کے بعد شیخ سے ان کا تعلق، رفاقت، محبت، عقیدت، ارادت اور پھر فنائیت میں تبدیل ہو گیا۔ اس سفر میں مخدوم زادے مولانا حسن سعید صفوی دام فضلہ کے ساتھ ان کی تواضع اور انکسار دیکھ کر حیرت اور خوشی ہوئی۔ حیرت اس لیے کہ اس زمانے میں ایسی تواضع دیکھنے کو نہیں ملتی اور خوشی اس لیے کہ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ صارفیت کے اس دور نے اگرچہ اخلاق وروحانیت کی ڈور کو کم زور کر دیا ہے، لیکن یہ ریشمی ڈور اب بھی ٹوٹی نہیں ہے۔ یہ شمع جل رہی ہے، بلکہ ؎

جو ہوں پینے والے تو آج بھی وہی بادہ ہے وہی جام ہے

محبوب میاں نے بتایا کہ حضرت شیخ ۱۹۹۴ء میں ''مجمع السلوک'' کے حوالے سے پریشان تھے۔ صفی پور، خیرآباد اور لکھنؤ میں اس کی تلاش کرا چکے تھے۔ بڑے اشتیاق سے اس کا ذکر کرتے۔ ان کے لہجے میں آرزو، مایوسی، امید، کرب اور یقین کی ایک لہر آتی اور ایک جاتی۔ غالباً اسی زمانے میں انھوں نے شیخ سعد خیرآبادی کی شان میں وہ معروف منقبت لکھی تھی جس میں مجمع السلوک کو انتہائی فنکاریت اور ذو معنویت کے ساتھ برتا تھا۔

اگر ہے مجمع السلوک کسی کی ذات بے شکوک
تو بس فقط ابوسعید شیخ سعد شیخ سعد

یادش بخیر! دہلی کی ایک شام، مرشدِ گرامی ذاکر نگر سے نئی دہلی اسٹیشن کے لیے جا رہے تھے۔ میں کار کی پیچھے والی سیٹ پر تھا۔ اس وقت مجمع السلوک کا مخطوطہ دستیاب ہو چکا تھا۔ غالباً ۲۰۱۰ء کا سال رہا ہوگا۔ شیخ ہر ملنے والے سے مجمع السلوک کی بازیابی کی

خوشیاں شیئر کرتے۔ شیخ کا مزاج یہ ہے کہ وہ احوال کی باتیں کم کرتے ہیں، مگر اس دن جوش بیان حاوی تھا۔ کہنے لگے: ''میں نے رب سے جو کچھ مانگا کبھی مایوس ومحروم نہیں ہوا۔ آج سے چند سالوں قبل شیخ سعد اور مجمع السلوک کی یاد میں یہ شعر ہوا تھا:

اگر ہے مجمع السلوک کسی کی ذات بے شکوک
تو بس فقط ابوسعید شیخ سعد شیخ سعد

کئی سال گزر گئے اس کی تعبیر سامنے نہیں آئی۔ دل پریشان تھا، مگر الحمد للہ! مجمع السلوک کے دو مخطوطے حاصل ہو گئے۔''

محبوب میاں نے کہا کہ آج مدبر صاحب کی شامت آئی تھی، مگر بچ گئے۔ صبح صبح سج دھج کر پہنچ گئے۔ میاں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ عرض کیا: حضور! خیر آباد میں بھی جاؤں گا۔ فرمایا: اجازت لی؟ عرض گذار ہوئے کہ اجازت ہی کے لیے آیا ہوں۔ میاں نے کہا کہ تم تو دولہا بنے پھر رہے ہو، پوری تیاری کے بعد اجازت لینے آئے ہو، یہ کون سی اجازت ہے؟ لوٹ جاؤ۔

مولانا مدبر نے کہا کہ میں فوراً ہی گھر کی طرف چل دیا۔ میں نے پوچھا: پھر کیا ہوا؟ پھر کیا ہوتا، مجھے پتہ تھا کہ میاں مجھ کو دوبارہ بلوائیں گے۔ چند منٹ بھی نہیں گزرے کہ ایک طالب علم نے مجھ سے بتایا کہ میاں حضور نے کہا ہے کہ آپ کو بھی خیر آباد چلنا ہے۔

حسن میاں صاحب جو ڈرائیور کی بازو والی سیٹ پر بیٹھے تھے، فرمانے لگے کہ خانقاہ میں مولانا مدبر صاحب اس معاملے میں سب سے بڑے سعادت مند ہیں کہ سب سے زیادہ میاں کی ڈانٹ کھاتے ہیں۔ میں عرض گذار ہوا کہ حضور! ان کا جو اندازِ تسلیم ہے، اِن کے غائبانے میں میاں اس کا ذکر کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ مولانا مدبر کی یہ خوبی ہے کہ فوراً سرینڈر ہو جاتے ہیں۔ مشائخ کے ساتھ قیل وقال اور

بحث و کٹھ حجتی نہیں کرتے۔

''سمیر دہلی سے نکلا یا نہیں؟'' حسن میاں نے دریافت کیا۔

میں نے کہا: ''حضور! اس نے دس بجے نکلنے کو کہا ہے۔ جب اس کو رات میں پریس سے کتابیں نہیں ملیں تو صبح دس بجے کہاں سے مل جائیں گی! دس گیارہ بجے تو دہلی میں سورج طلوع ہوتا ہے، اس کے بعد جو کتابوں پر کام باقی ہوگا وہ کام ہوگا۔ مجھے نہیں لگتا کہ وہ شام سے پہلے دہلی سے نکل سکے گا۔ یہ تو اچھا ہے کہ اس کے ساتھ ڈاکٹر شوکت علی بھی ہیں، ورنہ کتاب کی رونمائی خطرے میں ہی تھی۔''

تقریباً ۳/ بجے شوکت بھائی کا یہ تبصرہ آیا کہ کتاب بہت اچھی چھپی ہے۔ اس کے بالمقابل Dummy کچھ بھی نہیں تھی۔ میں نے کہا: شوکت بھائی کسی کی تحسین کردیں تو اس میں یقیناً خوبیاں ہوں گی؛ کیوں کہ آسانی سے وہ لب نہیں کھولتے۔

''میاں حضور نکلے یا نہیں؟'' میں نے مولانا ضیاء الرحمٰن صاحب سے پوچھا۔ آپ ڈرائیور کے پیچھے اور میرے آگے والی سیٹ پر تھے۔

''نہیں ابھی نہیں نکلے ہیں۔ میاں حضور کا پروگرام رات میں لکھنؤ میں قیام کرنے کا ہے۔''

''تب تو اس وقت تک ان کو نکل جانا چاہیے تھا؟'' میں نے کہا۔

''دیکھیے! میاں حضور کا اپنا خاص مزاج ہے۔ کوئی ضروری نہیں کہ آج نکل ہی جائیں۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ وہ کل فجر بعد نکلیں۔'' حسن میاں نے میرے تجسس پر وضاحت کی۔

''میاں کے ساتھ کون ہوگا؟''

''مفتی آفتاب، مفتی شاہد وغیرہ۔'' حسن میاں نے اضافہ کیا۔

دوسرے دن پتہ چلا کہ حسن میاں کا اندازہ درست تھا۔

حسن میاں نے خیرآباد کی علمی وروحانی زرخیزی وشادابی کے سیاق میں مولانا فضلِ امام خیرآبادی اور مولانا فضلِ حق خیرآبادی کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ مولانا فضلِ امام خیرآبادی نے اپنی آخری عمر میں مخدوم صاحب کے سجادگان سے گزارش کی تھی کہ مخدوم صاحب کے احاطے میں ان کو بھی دفن ہونے کا شرف بخشا جائے۔ سجادگان نے ان کی گذارش قبول کی، چناں چہ وہ بھی مخدوم صاحب کے احاطے میں ہی دفن ہیں۔

حسن میاں نے کسی مولوی صاحب کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ جناب مجھ سے کہنے لگے کہ میں خیرآباد گیا تھا اور مولانا فضل امام کی بارگاہ میں حاضری دی۔ میں نے دریافت کیا کہ مخدوم شیخ سعد کے یہاں حاضر ہوئے یا نہیں؟ تو موصوف نے لاعلمی کا اظہار کیا اور کہنے لگے کہ میں تو مولانا فضلِ امام کی زیارت کے لیے گیا تھا۔

حسن میاں نے کہا کہ یہ حال ہے آج کے مولویوں کا۔ یہ ایسے عاشقِ خسرو ہیں جو پیر نظام کو بھی فراموش کرجاتے ہیں۔ مولانا فضلِ امام صاحب کی زیارت کررہے ہیں اور فضلِ امام صاحب جس کے احاطے میں تمناؤں کے ساتھ دفن ہیں، اسی احاطے میں جاکر اس احاطے کے قطب سے آنکھیں پھیر رہے ہیں۔ یہ بھی کیا دیوانگی ہے جو شمع کو چھوڑ کر پروانوں پر نثار ہورہی ہے؟

میں نے عرض کی: حضور! مولانا فضلِ امام صاحب تو ایک فلسفی اور معقولی آدمی تھے۔ آج جب کہ علم کی دیگر شاخوں کے ساتھ فلسفہ اور کلام کو بھی زندہ در گور(۱)

---

(۱) معقولات کو معاصر اہل مدارس بالعموم مردہ علوم میں شمار کرتے ہیں، جب کہ راقم کی نظر میں یہ زندہ علوم ہیں، کیوں کہ معاصر دنیا میں عقل پرستی ماضی سے زیادہ بڑھی ہے۔ ہاں! ایک بات ضرور ہے کہ مغرب میں یہ علوم نئے آب و تاب سے جلوہ گر ہوئے ہیں، جب کہ مدارس میں موجود ان کے عشاق سال خوردہ ان کے قدیم نقاب کو بدلنے کے لیے کسی قیمت پر تیار نہیں ہیں۔ نتیجۃً مدارس کی دنیا میں ایک عام رجحان یہ بن گیا ہے کہ یہ علوم از کار رفتہ ہیں۔

کر دیا گیا ہے، ایسے میں مولانا سے عقیدت کی وجہ ان کی فلسفہ دانی نہیں ہوسکتی۔ یہ عقیدت مولانا فضلِ حق کے فتوی تکفیر کے توسط سے ہم تک پہنچتی ہے۔ حالات اتنے ابتر ہیں کہ علم وروحانیت سے ہمارا سلسلہ ٹوٹ سا گیا ہے۔ بطورِ خاص گذشتہ ساٹھ ستر سالوں میں ہماری مولویت تکفیر وتفریق پسندی میں اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔ اس لیے آج کا مولوی اگر مخدوم شیخ سعد کے احاطے میں مدفون مولانا فضلِ امام کی قبر پر فاتحہ پڑھ کر لوٹ جاتا ہے اور مرکزِ احاطہ میں بڑے گنبد کے زیرِ سایہ حضرت مخدوم کے چشمۂ فیض سے محروم رہتا ہے تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے۔

سورج اپنے اجالوں کے ساتھ ہم سے روپوش ہو چکا تھا۔ ہماری کار شاہِ راہ عام کو چھوڑ کر مولانا فضلِ حق خیرآبادی روڈ پر چلنے لگی تھی۔ تھوڑی دیر میں ہی حضرت مخدوم کے مزار اقدس کے اجالوں نے ہمیں اپنے ہالے میں لے لیا۔ نماز کے بعد حضرت مخدوم کی بارگاہ میں حاضری ہوئی۔ حضرت کے احاطۂ نور سے ہی خیرآباد کی آبادی شروع ہوتی ہے۔ یہ ٹیلہ نما وسیع احاطہ ہے۔ اس کے بیچوں بیچ حضرت مخدوم کا بڑا سفید گنبد ہے، جس کی سادگی اور دل کشی اہل نظر کو دعوت نظارہ دیتی ہے اور اہل دل کو جذب وشوق سے بے چین کرتی ہے۔ علم کا جلال اور روحانیت کا جمال تسلسل کے ساتھ برس رہا ہے۔ اس کا لطف کچھ وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں، جن کے دل لذت آشنائی سے سرشار ہیں۔ ہم مولوی کیا جانیں، ہماری نظریں تو پاجامے کے نیچے ٹخنے تلاش کرنے اور نماز میں انگوٹھے کی حرکت کا مشاہدہ کرنے ہی میں محو رہتی ہیں۔ اس سے آگے بڑھے تو ماضی ومستقبل کا تجزیہ اور حال کا ادھیڑ بن۔ عقل کوتاہ اندیش کبھی اپنی فکر کرنے ہی نہیں دیتی۔

شیخ کے روضے کے بازو میں مغرب کی سمت چھوٹی سی مسجد ہے۔ مسجد کی بائیں طرف حضرت مخدوم شاہ صفی کا حجرہ ہے، جس میں مخدوم شیخ سعد کی وفات کے بعد مخدوم شاہ

صفی ٹھہرا کرتے تھے۔ مولانا مجیب نے تاریخ کے اس دریچے کی طرف جھانکنے کے لیے کہا۔ میں نے اس طرف ایک عجیب منظر دیکھا۔ ایک جواں سال، مدرسے کا نو فارغ مین گیٹ پر کھڑا ہے۔ پیشانی پر علم کی تمکنت ہے۔ آنکھیں لوگوں کے ہجوم میں پتھرائی ہوئی ہیں۔ اس ہنگامہ آرائی کی وجہ وہ جاننا چاہتا ہے، لیکن پہلے وہ اپنے مخدوم سے ملنا چاہتا ہے۔

''مخدوم صاحب کہاں ہیں؟''

جوان نے ایک بوڑھے شخص سے دریافت کیا۔ وہ بوڑھا شخص نم آنکھوں سے پہلے جوان کو دیکھتا ہے، پھر آہ سرد بھرتا ہوا آسمان کو تکنے لگتا ہے۔ جوان پر سراسیمگی چھا جاتی ہے۔ بڑے میاں بھرائی ہوئی آواز میں گویا ہوتے ہیں:

''میاں! تم کوئی نو وارد لگتے ہو، آپ کون ہو اور کہاں سے آنا ہوا؟''

''میرا نام نظام الدین ہے۔ سالوں قبل حضرت مخدوم کی قدم بوسی سے شرف یاب ہوا تھا، بیعت کی تھی، پھر مخدوم کے ارشاد پر ملک پنجاب تحصیلِ علم کے لیے چلا گیا تھا۔ تحصیلِ علم کے بعد قلب پر جو حجاب آ گیا تھا اس کی صفائی کے لیے شیخ کی صحبت ضروری تھی، لیکن یہ کیا کہ اب تو محرومی ہی محرومی ہے!! میں تحصیلِ علم کے لیے پنجاب کیوں گیا، جو اس بحرِ عرفان کی فیاضیوں سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو گیا۔'' جوان رونے لگا تھا۔

بوڑھے نے از راہ شفقت جوان کو گلے لگا لیا۔ ''میاں! یہ فقرا خود بھوکے رہتے ہیں، مگر دوسروں کو بھوکا نہیں رکھتے، اور صرف پیٹ ہی نہیں بھرتے روح کو بھی مکمل غذائیت بخشتے ہیں۔ بڑے مخدوم نے تمہاری روح کا حصہ مخدوم صفی سائیں پوری کے حوالے کر دیا ہے۔ مخدوم صاحب کا یہ پہلا عرس ہے۔ سائیں پور (۱) سے مخدوم صفی

---

(۱) صفی پور ضلع اناؤ میں ایک قصبہ ہے، جہاں مولانا شاہ عبدالصمد عرف مخدوم شاہ صفی (۹۴۵ھ) کا مزار ہے۔ قصبے کا نام انہی کے نام سے منسوب ہے۔ ان سے پہلے اس کا نام سائیں پور تھا۔

بھی آئے ہوئے ہیں۔ مسجد کی بائیں طرف چلے جاؤ، تمہارا حصہ انھی کے پاس ہے۔ جاؤاور شرفِ قدم بوسی سے خود کو مشرف کرو۔''

مخدوم عبدالصمد عرف شاہ صفی سائیں پوری خندہ پیشانی کے ساتھ نوجوان کے سلام کا جواب دیتے ہوئے اپنے قریب بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہیں۔ بڑے مخدوم صاحب کا ذکر شروع ہوتا ہے اور محفل دراز ہوجاتی ہے۔ کچھ دیر بعد دہل وطنبور کی آواز سن کر شاہ صفی اپنی گفتگو روک دیتے ہیں اور حاضرین کو محفلِ سماع میں جانے کا اشارہ کرتے ہیں۔

''مولانا نظام الدین! آپ بھی پہنچیں، میں تھوڑی دیر میں آیا۔''

''حضور! وہاں طنبور ورباب بجائے جارہے ہیں، میں خلاف شرع محفلوں میں نہیں جاتا۔''

شیخ نے نوجوان کو دیکھا، مسکرائے اور پھر چہرے پر ایک مصنوعی خفگی اور حیرت کے ساتھ گویا ہوئے:

''طنبور ورباب؟ کون بجا رہا ہے؟ چلیے میں چل کر دیکھتا ہوں۔ ان لوگوں کو پتہ نہیں کہ مولانا نظام الدین آئے ہوئے ہیں۔''

شاہ صفی اپنے حجرے سے باہر نکلے، پیچھے پیچھے مولانا نظام الدین اور چند دوسرے لوگ ہیں۔ چند قدم پورب کی طرف بڑھنے کے بعد بائیں طرف مڑ گئے اور صحن مسجد کراس کرتے ہوئے مخدوم صاحب کی قبر کے سامنے پہنچ گئے جہاں محفلِ سماع گرم تھی۔

''ارے بند کرو یہ چنگ ورباب اور دہل وطبل، تمھیں پتہ نہیں کہ مولانا نظام الدین آئے ہوئے ہیں۔''

قوال پریشان ہوگئے اور مزامیر کو یک لخت بند کردیا۔ چند ثانیے تک خاموشی رہی، پھر اچانک مزامیر از خود بجنے لگے۔ مولانا نظام الدین کو پہلے حیرت ہوئی، پھر مستی چھائی، فرطِ مستی میں کھڑے ہوکر رقص کرنے لگے، کچھ دیر تک رقصاں رہے اور

پھر چکرا کر جو گرے تو بے ہوش ہو گئے۔ آنکھ کھلی تو محفلِ سماع ختم ہو چکی تھی۔ اب مرشدِ تربیت شاہ صفی کی تلاش شروع ہوئی۔ سائیں پور، مجھگواں، لکھنؤ ہوتے ہوئے جب دوبارہ خیرآباد پہنچے تو دیکھتے ہیں کہ شاہ صفی بڑے مخدوم صاحب کے مزار کی تعمیر میں مصروف ہیں۔ طالبِ صادق کو سرگرداں دیکھ کر مسکرانے لگے۔ فرمایا: ع

اب ملتے ہیں کچھ پختگی عشق کے آثار(۱)

مولانا مجیب نے میرے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے حسن میاں کی طرف متوجہ کیا۔ حسن میاں احاطے کے زینے سے اتر رہے تھے۔ پیچھے پیچھے میں بھی دوڑا۔ احاطے سے باہر نکلتے ہی راستے کی دوسری طرف پورب کی جانب مخدوم صاحب کے حالیہ متولی شیخ نجم الحسن عثمانی عرف شعیب میاں صاحب کا گھر ہے۔ اس کے بازو میں محترم ضیاء علوی صاحب کا گھر ہے، جو زندہ دلان خیرآباد کی یادگار ہیں۔ وہ اپنے گھر کے باہر ہی جلوہ افروز تھے۔ حسن میاں کو دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے۔ یکے بعد دیگرے سلام و مصافحہ اور معانقہ سے گزرتے ہوئے جب مولانا ضیاء الرحمٰن تک پہنچے تو فرطِ محبت میں ان کی پیشانی چوم لی۔ کہا: ''مولانا! آپ اپنا ہاتھ بڑھائیں، میں آج آپ کا ہاتھ چوموں گا۔ آپ نے مجمع السلوک کا ترجمہ کر کے وہ احسان کیا ہے جس کا بوجھ اتارنا ہمارے لیے ناممکن ہے۔''

مولانا ضیاء الرحمٰن اپنا ہاتھ بڑھانے کے بجائے ضیاء میاں کی قدم بوسی کے لیے نیچے کی طرف جھک گئے۔ ضیاء میاں نے روکنا چاہا اور بالآخر بیٹھ کر ضیاء الرحمٰن صاحب کے دونوں بازؤوں کو زور سے تھام لیا۔ میں نے دیکھا کہ لاکھ چاہنے کے بعد بھی ضیاء میاں نے ان کو اپنی قدم بوسی کرنے نہیں دیا۔ لیکن یہ تو عالم ظاہر کا منظر تھا،

---

(۱) اس واقعے کی تفصیلات قاضی ارتضا علی گوپاموی نے مجمع السلوک کی تلخیص فوائد سعدیہ کے مقدمے میں لکھی ہیں۔

کوئی نگاہ باطن کا حامل ہوتا تو وہ دیکھتا کہ مولانا کی روح شیخ سعد کے قدموں پر لوٹ رہی ہے اور احسان وتشکر میں لبریز عرض گذار ہے: ''حضور! ترجمہ میں نے نہیں کیا ہے، آپ نے کرایا ہے۔ خدمت سلطانی میرا احسان نہیں، یہ مجھ پر احسان ہے کہ آپ نے مجھے اپنی خدمت میں رکھا ہے اور میں اسی طرح ہمیشہ خدمت گذار اور احسان مند رہنا چاہتا ہوں۔''

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی
منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

ضیاء میاں نے ہم آشفتہ سروں کے لیے قیام وطعام کا خصوصی اہتمام فرمایا تھا۔ ناشتے اور کھانے کے علاوہ وہ مسلسل اپنی سخن ہائے دل نواز سے ہماری ضیافت فرمارہے تھے۔

''اب آپ مستقل خیرآباد میں سکونت پذیر ہوجائیں۔'' حسن میاں نے ان سے گذارش کی۔

''جی! میرا دل بھی یہی چاہتا ہے، بس آپ دعا فرمائیں کہ اللہ کریم یہاں اکلِ حلال کا کوئی بندوبست فرمادے۔''

''آپ یہاں مدرسہ بھی قائم فرمالیں اور۔۔۔!''

''میاں! مجھے اس سے معاف رکھیے، مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا۔ مدرسہ تو صرف ابو میاں صاحب کو زیب دیتا ہے اور اس کے لیے صرف ایک ہی خانقاہ ہے خانقاہِ عارفیہ۔ جس نے اپنے بچوں کو کنوینٹ اسکولوں میں پڑھایا ہو وہ دوسروں سے کس منھ سے کہے گا کہ آپ اپنے بچوں کو مدرسے میں پڑھائیے۔ میاں! مجھ سے نفاق اور دو رخا پن نہیں ہوسکتا۔ اپنے پورے سلسلے میں بس ایک ہی خانقاہ ہے۔ ایمان واحسان اور علم وعمل کے حوالے سے جو کچھ ہونا ہے وہیں سے ہونا ہے۔ اب اس سے زیادہ مجھ

سے نہ بلوایئے۔ شکیب جلالی کا شعر یاد آتا ہے:

ملبوس خوش نما ہیں مگر جسم کھوکھلے
چھلکے سجے ہوں جیسے پھلوں کی دکان پر''

ضیا میاں شعر و سخن کا اچھا ذوق رکھتے ہیں۔ دورانِ گفتگو اس طرح کے برجستہ اشعار سنائے جاتے ہیں۔ خود بھی شعر کہتے ہیں۔ محفل میں ان کی موجودگی بتاتی ہے کہ ہم مضطر، ریاض، وسیم اور کوثر خیرآبادی کے دیار میں بیٹھے ہوئے ہیں۔

میں کمرے سے باہر نکلا۔ میرے سامنے مخدوم صاحب کا نورانی گنبد تھا۔ آنکھیں بند کیں تو دیکھا کہ ایک معمر نورانی بزرگ سفید چادر پر دوزانو بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کے پاس کسی عربی کتاب کا قلمی نسخہ ہے۔ اس سے بعض جملے پڑھ رہے ہیں اور اس پر عرفانی نکات آفرینی فرما رہے ہیں۔ سامنے اربابِ علم و نظر اور طالبانِ حقیقت و معرفت کی ایک جماعت گوش برآواز ہے۔ کسی نے تعارف کرایا، یہ شیخ محمد مبارک بجنوری ہیں، یہ قاضی محمد من اللہ کاکوروی ہیں، وہ بیچ والے شیخ چاند بڈھن ہیں اور ان کے بازو میں قاضی راجا خیرآبادی ہیں۔ یہ درس کیا ہے، ایک بحرِ عرفان سے درجنوں نہروں کی سیرابی ہے۔ شیخ دورانِ درس ہر بات کو شاہ مینا کے ملفوظات سے مزین و مبرہن کر رہے ہیں۔

درس ختم ہوا اور شیخ نے کتاب کا قلمی نسخہ ایک طرف رکھا اور آہ سرد بھرتے ہوئے گویا ہوئے:

''اب طالبین کہاں رہے؟ نہ پیروں میں پیری کی خو ہے اور نہ مریدوں میں مریدی کی بو۔

مجالس خلق زو رفتہ، مدارس مندرس گشتہ
مساجد جملہ بشکستہ، منابر ہم چناں خالی

ملائک می کنند نوحہ کہ یارب ایں چہ روز آمد
کہ تا پیش از قیامت شد ز مردم ایں جہاں خالی"

تھوڑی دیر تک محفل پر خاموشی چھائی رہی۔ قاضی راجا خیرآبادی ہمت جٹاتے ہوئے عرض گذار ہوئے: "حضور! کیا اچھا ہوتا رسالہ کی شرح لکھ دی جاتی اور یہ آب دار موتی جو ہواؤں میں تحلیل ہوتے جارہے ہیں، تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہوجاتے۔" درس میں بیٹھے دیگر اہلِ علم کی آنکھیں چمک اٹھیں اور سب نے ہی اشاروں اشاروں میں قاضی راجا کی تائید کی، مگر شیخ خاموش رہے۔

سامنے ایک سیدزادہ آتا ہوا دکھائی دیا۔ چہرے پر نور وعرفان کی لکیریں برابر برابر تھیں۔ عمر کوئی چالیس پچاس کے درمیان ہوگی۔ محفل میں آتے ہی شیخ کی قدم بوسی کرنی چاہی۔ شیخ بہ مشکل تمام کھڑے ہوئے اور آنے والے کی پیشانی چوم لی۔ کسی نے بتایا کہ یہ شیخ کے پرانے شاگرد حضرت سید جلال الدین بن سید ابوطاہر تاج ہیں۔ چند رسمی باتوں کے بعد مدعا بیان کیا۔" حضور! خبر ملی ہے کہ خواجہ تاشوں نے شرحِ رسالہ کی گذارش کی ہے۔ حضور! ان فریادیوں میں میرا نام بھی شامل فرمالیں۔ حضور! سالکین راہِ سلوک پر یہ آپ کا بڑا احسان ہوگا اور آپ کے بعد بھی یہ دائرۃ المعارف احسان وسلوک کی پرخطر راہوں کو روشن رکھے گا۔"

"مولانا! آپ جناب سیدہ کے لختِ جگر ہیں، قرآن نے آپ کی محبت کو مجھ پر واجب کیا ہے اور یہ محبت پل صراط پر میری کامیابی کی ضمانت ہے۔ اس لیے اب میں عزمِ مصمم کرتا ہوں۔ ارادہ میرا بھی تھا، مگر پس وپیش میں مبتلا تھا۔ اب آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔"(۱)

---

(۱) مقدمہ مجمع السلوک میں اس کا اجمال موجود ہے۔

میں نے گھڑی کو دیکھا کہ وہ بہت تیزی سے گردش کناں ہے۔اس کی سوئیاں لمحوں سے نہیں، صدیوں سے گزررہی تھیں۔ سامنے دیکھا کہ ایک بزرگ مخدوم صاحب کی چوکھٹ چوم کر واپس ہورہے ہیں۔ان کے ساتھ ایک بارعب عالمِ دین ہیں۔ان کے پیچھے علما اور طلبہ کی قطار ہے۔ پیچھے کچھ فاصلے پر اونٹوں اور ہاتھیوں کا ایک ہجوم ہے۔ یہ شاہی قافلہ میرے قریب آ گیا۔سجادے صاحب کے دروازے پر دستک دی گئی۔ اندر سے ایک نورانی بزرگ نمودار ہوئے۔آنے والے بزرگ فوراً قدم بوس ہوگئے۔ کہنے لگے:''حضور! دنیا کی ساری نعمتیں حاصل ہوچکی ہیں۔منطق وفلسفہ میں ارسطو اور ابن سینا کی گتھیاں سلجھا چکا ہوں۔ اب دین ودنیا کی کوئی تمنا ادھوری نہ رہی۔بس ایک ہی آرزو رہ گئی ہے جس کی تکمیل آپ کی کرم نوازیوں پر منحصر ہے۔میاں! اس بوڑھے نے کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگا، بن مانگے خدا نے سب کچھ دیا،لیکن آج جب کہ عمر کے آخری پڑاؤ میں ہوں،آپ سے ایک بھیک مانگنے حاضر آ گیا ہوں۔''بزرگ نے ایک منگتے کی طرح اپنی چادر پھیلا دی۔

''مولانا! پریشان کیوں ہوتے ہو! فقیروں کی زنبیل کبھی خالی نہیں ہوتی۔مخدوم صاحب کی درگاہ میں مسجد کے اتر جانب آپ کی جگہ متعین ہے۔اپنے وابستگان کو بتادیں کہ وہ وفات کے بعد بلا جھجک مخدوم صاحب کے جوار میں آپ کو سپردِ خاک کردیں۔''

مولانا کا چہرہ خوشیوں سے دمک اٹھا۔جھک کر سلامی دی اور واپس ہوگئے۔

میرے بازو میں ایک نیزہ بردار کھڑا تھا۔ میں نے پوچھا:''یہ کون صاحب ہیں؟''اس نے میرے کان میں سرگوشی کی:''دہلی کے صدر الصدور علامہ فضلِ امام خیرآبادی اور ان کے پیچھے ان کے بیٹے۔۔۔!''

مولانا مجیب نے بائیں جانب بچوں کے جھولوں اور تماشوں کی طرف متوجہ کیا۔ میں نے کہا:''چلیے جھولیے۔اب تو یہی رہ گیا ہے۔علم وعرفان کا شہر اجڑ چکا

ہے۔ اب انہی کھلونوں سے دل کو بہلایا جاسکتا ہے۔ حالات اور حکومتوں نے مسلمانوں کوکہیں کا تونہیں چھوڑا۔آج کا مسلمان دیر تلک سوتا ہے، محنت سے جی چراتا ہے، تعصّبات کا رونا روتا ہے، تقدیر کا شکوہ کرتا ہے اور مہدی موعود کے خوش گوار تصور سے جھوم اٹھتا ہے۔ جھولیے اور دل ناشاد کو شاد کیجیے۔ اس کے علاوہ ہمارے پاس آپشن ہی کیا ہے۔''

حسن میاں کا حکم آیا کہ اب چھوٹے مخدوم صاحب کے یہاں چلنا ہے۔ ہمارا چندنفری قافلہ اہلِ خیرآباد سے راستہ پوچھتا ہوا تھوڑی دیر میں چھوٹے مخدوم صاحب کے آستانے پر تھا۔ یہ وہی مولانا سید نظام الدین عرف اللہ دیا ہیں، جو بڑے مخدوم صاحب سے بیعت کے بعد تحصیلِ علم کے لیے ملک پنجاب چلے گئے تھےاور جب واپس ہوئے تو مخدوم صاحب کا پہلا عرس ہو رہا تھا۔ حسن میاں کے ساتھ ہم لوگوں نے بہت ہی اطمینان سے فاتحہ پڑھی۔ اس وقت پوری درگاہ خالی تھی اور چاروں طرف نورانیت وطمانینت کی فضا تھی۔ ضیا بھائی نے کہا کہ فقیہ صوفیہ کے یہاں ایک عجیب سادگی اور پرکیفی ہوتی ہے۔ یہی لطف ہمیں شیخ محقق کے یہاں دہلی میں ملتا ہے۔

''حضور! یہ برابر والی قبر کس کی ہے؟'' میں نے حسن میاں سے پوچھا۔

''یہ مخدوم اللہ دیا کے صاحب زادے مولانا سید ابوالفتح قدس سرہٗ کی قبر ہے۔ جب مخدوم صاحب اکبر کے دربار میں گئے تھے اس وقت مولانا ابوالفتح بھی ساتھ تھے۔ مخدوم صاحب ضعیفی کی وجہ سے اونچا سنتے تھے۔ اکبر کا درباری فیضی منکر صوفیہ تھا۔ اس نے مخدوم صاحب سے بحث شروع کردی۔ مولانا ابوالفتح مخدوم صاحب کی طرف سے جواب دیتے۔ مخدوم صاحب مولانا ابوالفتح سے پوچھتے کہ اس نے کیا کہا، پھر پوچھتے تم نے کیا جواب دیا؟ جب مولانا کا جواب سنتے تو خوش ہوکر فرماتے: ''خوب پاپوش زدید'' (خوب چپل لگائے) اس کے بعد سے ہی فیضی مخدوم صاحب کا

معتقد ہو گیا تھا۔(۱) جب حضرت کا وصال ہوا تو اس نے ہی حضرت کے مزار کی تعمیر کرائی۔ اس کے علاوہ اس نے مخدوم شیخ سعد کی شان میں بھی یہ تاریخی رباعی لکھی:

حیف آں شاہِ ولایت شیخ سعد
گشت در فردوس اعلیٰ جائے گیر
بُد چوں مخدوم کبیر او را لقب
لا جرم شد سالِ مخدومِ کبیر
(۹۲۲ھ)

ہماری یہ گفتگو جاری ہی تھی کہ قمقموں، جھومروں اور جھنڈیوں والا ایک جگمگاتا کارواں آن پہنچا۔ معلوم ہوا کہ یہ جلوس گاگر ہے۔ بڑے مخدوم صاحب کا جلوس گاگر چھوٹے مخدوم صاحب کے آستانے سے شروع ہوتا ہے اور چھوٹے مخدوم صاحب کی گاگر بڑے مخدوم صاحب کے یہاں سے اٹھتی ہے۔ حسن میاں نے بتایا کہ گاگر کی روایت اپنے سلسلے میں نہیں تھی۔ اس کی ابتدا مجدد سلسلہ حضرت شاہ خادم صفی محمدی قدس سرہٗ (۱۲۸۷ھ/ ۱۸۷۰ء) سے ہوئی۔ میں نے عرض کی کہ اس روایت میں موجودین نے یہ اضافہ کیا ہے کہ اب گاگر برقی قمقموں سے آراستہ ہوگئی ہے۔

میں نے مولانا غلام مصطفیٰ ازہری صاحب سے کہا کہ ہندوستان میں صوفی روایت اور بھکتی روایت کا عہد شباب تقریباً ایک ہی ہے۔ آج جب کہ یہ دونوں روایتیں کمزور ہوگئی ہیں، ایسے میں ہم دیکھتے ہیں کہ بھکتی روایت کے وابستگان نے اپنے آپ کو زمانی اعتبار سے Up-to-date کرلیا، لیکن ہماری تجدید صرف یہی رہ گئی ہے کہ گاگروں میں قمقمے لگالیں۔ صوفی اور بھکتی روایتوں میں قدر مشترک محبت اور

---

(۱) تذکرۃ المخدومین، مفتی سید نجم الحسن خیرآبادی، ص: ۱۷۳، فیض آباد، ۱۹۸۶ء

خدمت تھی۔ اس عہد زوال میں دیکھیے کہ بہت سے مٹھ جدید تعلیم، طبی سہولیات اور غربا پروری کے حوالے سے کتنے بڑے کارنامے انجام دے رہے ہیں۔ ہزاروں ہزار لوگوں کے مفت علاج اور مفت تعلیم کا بندوبست ہے۔ اس کی وجہ سے ان کے متولی موجودہ سنتوں نے دنیا بھی خوب کمائی، لیکن ہماری صوفی روایت میں اب روحانیت مفقود ہے اور رسم ہی رسم باقی رہ گئی ہے۔ پیرزادوں کی سج دھج ہے اور چند نفری قافلہ۔ یہ زمانہ نئے انقلاب کا زمانہ ہے، علم کے حوالے سے، عرفان کے حوالے سے، دین کے حوالے سے اور دنیا کے حوالے سے۔ شرابِ کہن کو ساغر نو میں پیش کرنا مرتی انسانیت کی ضرورت ہے۔ رسموں سے اغماض اور حقائق پر ارتکاز اہلِ تصوف کا فرض ہے۔ یہ مٹی آج بھی سرسبزی وشادابی پیدا کرسکتی ہے، کاش ذرا نم ہو۔ علم دین کے نظام میں تبدیلی آئے، خانقاہی روح کی بازیابی ہو، فروعات کو چھوڑ کر محبتِ الٰہی اور تعلق باللہ پر زور ہو اور خدمتِ خلق کا نیا انداز ہو، جس میں عرس کی روایتی دال کے اہتمام سے کہیں زیادہ مسلمانوں اور انسانوں کی تعلیم اور صحت کے سامان مہیا کیے جائیں۔ بصورتِ دیگر یہی ہوگا کہ پیرزادگان اور مولوی زادگان کنوینٹ اسکولوں میں پڑھیں گے، امرا نذر و نیاز پیش کر کے اپنی دینی ذمہ داریوں کی تکمیل کرلیں گے اور مفلس مسلمانوں کو ہاتھ باندھ کر کھڑا رہنے، ہاتھ پیر چومنے اور اپنے نادار بچوں کو اسلامی یتیم خانوں میں داخل کر کے دین کی حفاظت کرنے کی تلقین کی جاتی رہے گی۔

کسی نے بتایا کہ قوالوں کی ۱۴ر پارٹیاں آئی ہوئی ہیں اور رات بھر محفلِ سماع گرم رہے گی۔ خانقاہیں جو کبھی علم وعرفان، محبت وخدمت اور تربیت وتزکیہ کی مراکز تھیں، اب ان کی ساری روحانیت انہی شبانہ محفلوں میں سمٹ کر رہ گئی ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ان مشائخ کے اعراس کی تقریبات اس سلیقے سے مرتب کی جاتیں کہ دنیا

کے تعلیم یافتہ حضرات بھی اس میں اپنے لیے سامانِ کشش پاتے۔ لیکن ہم یہ باتیں کس سے کہیں؟ تقلید وروایت میں الجھے ہوئے اذہان سے بھلا یہ کب توقع رکھی جائے کہ وہ قصہٴ ماضی سننے سنانے کی جگہ تعمیرِ امروز کے لیے بھی فکر کرسکیں گے۔ میری نظر میں یہ تفرد اور استثنا مرشدِ گرامی شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی دام ظلہٗ جیسے درویشوں کا ہی ہے، جن کی فطرت میں شاہینی پرواز ہے اور جو ایک پرندے کی طرح محفوظ آشیانے کی تعمیر کے لیے ایک ایک تنکا چنتے ہیں، لیکن ہمت نہیں ہارتے۔ جن کا شب وروز قولاً وعملاً یہ اعلان کرتا رہتا ہے:

شرابِ کہن پھر پلا ساقیا
وہی جام گردش میں لا ساقیا
مجھے عشق کے پر لگا کر اڑا
مری خاک جگنو بنا کر اڑا
خرد کو غلامی سے آزاد کر
جوانوں کو پیروں کا استاد کر
پرانی سیاست گری خوار ہے
زمیں پیر و ملا سے بیزار ہے(۱)
گیا دَورِ سرمایہ داری گیا
تماشا دکھا کر مداری گیا
مرا دل، مری رزم گاہِ حیات
گمانوں کے لشکر، یقیں کا ثبات

---

(۱) اصل مصرع یوں ہے: زمیں میر وسلطاں سے بیزار ہے

یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر
اسی سے فقیری میں ہوں مَیں امیر

یا پھر یہ کہ:

شیشہ پرست کی نظر پیر مغاں کچھ اور ہے
رنگ شراب بھی بدل، رنگ جہاں کچھ اور ہے

''عبدالحفیظ بھائی! آپ کی باری کب ہے؟ ہم لوگ آپ کو سننے آئیں گے۔''

''میاں! میں یہاں سنانے نہیں آیا ہوں، پیر و مرشد کا حکم ہوا، آ گیا، اصل مقصود مخدوم صاحب کی بارگاہ میں حاضری ہے۔ حکم ہوگا پڑھ دیں گے، ورنہ اصل مقصود تو حاصل ہے۔''

میں نے عبدالحفیظ کو حیرت بھری نگاہوں سے دیکھا۔ دل نے کہا: ''یہ شیخ ابوسعید کے عبدالحفیظ ہیں، ورنہ دوسرے قوالوں کے کیا کہنے، وہ تو مکمل الامان والحفیظ ہیں۔''

رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ ضیاء میاں تشریف لے آئے۔

''حسن میاں! محفل میں کب چلیں گے؟''

''جی! جب حکم ہو''

''نہیں! یہ آپ پر ہے۔ آپ جب چلنا چاہیں؟''

''نہیں! میں خود آپ کے سپرد ہوں، آپ جب کہیں گے، آپ کا دل جب کرے۔ بتائیں کب چلا جائے، ابھی چلیں؟''

''حسن میاں! آپ کے لیے میرے دل میں کیا جذبات ہیں، میں بتا نہیں سکتا۔ آپ آ گئے، اس کی کتنی خوشی ہے، میرے دل میں آپ کے لیے کتنا احترام ہے، شاید آپ کو بھی اس کا اندازہ نہیں ہے۔''

۱۲؍ بجے حسن میاں نے محفل میں چلنے کا عندیہ ظاہر کیا۔ ہم سب لوگ کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد شعیب میاں نے عبدالحفیظ کے نام کا اعلان کیا۔ عبدالحفیظ نے آتے ہی محفل کا رنگ بدل دیا۔ پہلے امام بوصیری کا معروف قصیدہ بردہ پیش کیا۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ڈوبے ہوئے امام بوصیری کے اشعار نے محفل میں عشق کے جادو جگا دیے۔ دوسرے یا تیسرے شعر پر محبوب میاں پر کیفیت طاری ہوئی اور وہ رقصیدہ کھڑے ہو گئے۔ دیر تک کیفیت رہی۔ مجھ سنگ دل کا باطن بھی پگھلنے لگا تھا، لیکن بقول۔۔عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے! لاکھ کوشش کے باوجود بھی میرا ذہن خیرآباد کے پانچ سو سالہ سفر کی پر پیچ راہوں سے باہر نہیں نکل پا رہا تھا۔ میں اسی کی پگڈنڈیوں میں سرگرداں تھا۔ کبھی ماضی کے طرب انگیز مناظر پر دل بلیوں اچھلنے لگتا تو کبھی حال کی ویرانیوں پر کلیجہ منہ کو آتا۔ دل عقل کو سنبھلنے کی تلقین کرتا تو عقل دل کو تڑپنے کی دعوت دیتی۔

دل ونگاہ کی جنگ جاری تھی کہ یکا یک عبدالحفیظ نے مخدوم صاحب کی غزل چھیڑ دی۔

نشاں بر تختۂ ہستی نبود از عالم وآدم
کہ دل در مکتب عشق از تمنائے تو می بردم

مطلع نے یکا یک قلب ونظر کی جنگ کو روک دیا اور ماضی وحال سے بیگانہ کر دیا۔ نظر اوپر اٹھائی تو دیکھا کہ حسن میاں مرغِ بسمل کی طرح اضطراب شدید کے ساتھ اٹھے اور قوال کے پاس پہنچ گئے۔ ان کی کیفیت بہت شدید تھی، ان کا رقص کیا تھا، جیسے کسی نے کلیجہ نچوڑ دیا ہو، یا عشق کی آگ نے جگر کو سوختہ کر دیا ہو۔ خمیدہ اٹھے اور تیزی کے ساتھ آٹھ دس چکر لگایا، پھر سوزش میں کچھ کمی آئی اور اپنی جگہ بیٹھ گئے۔

عبدالحفیظ نے دوسرا شعر پڑھا:

بروائے عقل نامحرم کہ ایں شب باخیالے او
چناں خوش خلوتے دارم کہ من ہم نیستم محرم

اس پر مولانا ضیاء الرحمٰن علیمی میدان میں آگئے۔ گریاں وبریاں، عجیب کیف، عجیب مستی، پورا مجمع کھڑا تھا، یہ سنگ دل بھی نم دیدہ تھا، میری عقل اب مغلوب ہورہی تھی، دل کی جانب سے اس پر ملامتوں کی بارش ہورہی تھی، اس محفل نور میں عقل عیار کے پیچ وخم میں الجھے رہنا اپنے آپ کو سعادتوں سے محروم رکھنا ہے۔ اشکوں کی موسلا دھار بارش، آہ وفغاں اور جذب وجنون کے اس منظر نے سرگوشی کی کہ ان صوفیہ کی چوکھٹ اپنے تمام تر زوال وادبار کے باوجود خوشبوئے جامِ وحدت سے یکسر خالی نہیں ہے۔ بہرکیف! عبدالحفیظ نے صرف یہی دو کلام پیش کیے اور اس نے محفل اپنے نام کرلی۔ محسوس ہوا کہ گویا ہم خانقاہِ عارفیہ کی ہی محفلِ سماع میں ہیں۔ شروع سے آخر تک مستی وسرشاری چھائی رہی۔ مقطع نے بھی خوب حظ دیا۔ اہلِ دل چیخ اٹھے جب عبدالحفیظ نے یہ شعر پڑھا:

اگر پرسند سعد از عشق او حاصل چہاد اری
ملامت ہائے گوناگوں، جراحت ہائے بے مرہم

تین بجے کے قریب ہم محفل سے واپس قیام گاہ پر آ گئے تھے۔ اس شب کے کون سے لمحات حاصلِ شب تھے، یہ بات قطعی طور پر میں اس لیے بھی نہیں کہہ سکتا کہ میں پوری محفل میں نہیں تھا، لیکن دوسرے قوالوں کو تھوڑا بہت سن کر اندازہ یہی ہوا کہ وہی لمحات اس محفل کے حاصل تھے جن میں عبدالحفیظ ترنم ریز رہے۔

تھوڑی دیر کے بعد مولانا ناصر رام پوری بھی آگئے۔ عجیب مرد قلندر ہے، شام میں مولانا مجیب نے بذریعۂ فون انہیں بتایا کہ ہم لوگ بڑے مخدوم صاحب کے عرس اور مجمع السلوک کی تقریب رونمائی میں شرکت کے لیے خیرآباد پہنچنے والے ہیں اور

میاں آپ کو یاد کررہے تھے۔ اتنا سنتے ہی اس مردِ قلندر نے رختِ سفر باندھ لیا۔ کڑاکے کی سردی میں تمام تر کلفتیں جھیلتا ہوا خیرآباد آ پہنچا۔ مولانا مجیب نے ان سے کہا تھا کہ آپ صبح کو نکلیں، دوپہر تک پہنچ جائیں گے اور جمعہ بعد کی تقریبِ رونمائی میں شرکت ہوجائے گی، مگر وہ دیوانہ ہی کیا جو دل کی نہ سنے۔

’’جی! اس صورت میں تقریبِ رونمائی میں شرکت تو ہوجائے گی، لیکن میاں سے ملاقات اور گفتگو کا موقع نہیں مل سکے گا۔‘‘

حضرت عمر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک موقع پر غالباً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ عمر! تمہاری حق گوئی نے سب کو تمہارا مخالف بنادیا ہے۔ مولانا ناصر کی حق گوئی اور جرأت وبے باکی دیکھ کر بے ساختہ یہ روایت یاد آتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ خود راقم کو بھی ان کے بعض جملوں اور تعبیرات سے بعض اوقات اتفاق نہیں ہو پاتا۔

حسن میاں کے حکم پر تھوڑی دیر آرام کیا گیا۔ فجر کی نماز کے بعد مخدوم صاحب کی بارگاہ میں حاضری ہوئی اور دوزانو بیٹھ کر بہت اطمینان سے فاتحہ پڑھی گئی۔ مولانا ضیاء الرحمٰن علیمی، مولانا غلام مصطفیٰ ازہری، مولانا ناصر رام پوری اور مولانا فہد سعیدی ساتھ تھے۔

فاتحہ کے بعد موبائل میں چند یادگاریں محفوظ کی گئیں۔ مولانا فہد نے مولانا فضلِ امام خیرآبادی اور ان کے پوتے مولانا عبدالحق خیرآبادی کی قبروں کی زیارت کرائی جو مسجد کی دائیں طرف دیگر چھوٹی چھوٹی قبروں کے بیچ میں تھیں۔ مخدوم صاحب کے مزار اقدس کے چاروں طرف بہت سی قبریں بنی ہوئی ہیں۔ ان کے بیچ مخدوم صاحب کا روضہ گویا ستاروں کی جھرمٹ میں ماہ کامل ہو۔

وہاں سے باہر نکلے تو چائے پی گئی اور پھر فیصلہ یہ ہوا کہ وقت سہانا اور پرکیف

ہے، آرام کرنے کے بجائے خیرآباد کے خاص مقامات کی زیارت کرلی جائے۔ مخدوم صاحب کے خلیفہ شیخ راجا خیرآبادی کی زیارت ہوئی،صفیہ غار (۱) پر گئے، ماضی قریب کے بزرگ مجھکو اں شریف کے عارف میاں (۲۰۰۸ء) کے تعمیر کردہ قلعے کی زیارت ہوئی۔ عارف میاں ایک ملامتی قسم کے درویش تھے جن کی اعلیٰ جمالیاتی حس ہر گوشے سے جھلکتی نظر آتی ہے۔ان کے تعلق سے مرشد گرامی کا ارشاد یاد آتا ہے: ''عارف میاں تنہا انجمن تھے اور ان کے ساتھ ہی وہ انجمن بھی اٹھ گئی۔'' کہتے ہیں کہ اسی جگہ بڑے مخدوم صاحب کا مدرسہ یا مطبخ تھا۔ یہ کچھ ٹیلہ نما جگہ ہے جو مخدوم صاحب کے احاطے کی جانب شمال سو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ایک مقامی شخص نے بتایا کہ قلعے کی تعمیر کے وقت کھدائی میں ایسی چیزیں نکلی تھیں جن سے یہاں مطبخ ہونے کی توثیق ہوتی ہے۔

عارف میاں کے اس چھوٹے خوب صورت قلعے کے تہ میں مخدوم صاحب کے مدرسہ و مطبخ کی بات چل ہی رہی تھی کہ یکا یک سطح ذہن پر ۱۲/ ۱۳/سال کا ایک طالب علم نمودار ہوا۔صفائی روح کا پیکر، سعادت دارین سے سرشار۔سر پر ٹوپی اور کندھے پر رومال لگائے طلبہ کے شور وشغب سے الگ کسی کتاب کے مطالعے میں غرق

---

(۱) یہ ایک کرامتی تالاب ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک مظلوم بوڑھیا کا گھر کسی ظالم نے غصب کرلیا تھا،اس کی فریاد پر مخدوم شاہ صفی نے اس کی تفہیم کرنی چاہی، لیکن جب مسلسل تاکید کے بعد بھی اس نے نہیں سنا تو مخدوم صاحب نے اپنا اگال بوڑھیا کو دیا اور کہا کہ اسے ظالم کے گھر پر پھینک دے۔ بڑے مخدوم صاحب کو پتہ چلا تو آپ نے اسے روک دیا اور بہ نفس نفیس اس غاصب کی تفہیم کی۔مخدوم شاہ صفی کے جلال کو دکھانے کے لیے ان کا اگال ایک خالی جگہ پر پھینکا تو وہاں کے سبزے جل گئے اور گڈھا بن گیا۔آج یہ ایک تالاب کی شکل میں مخدوم شیخ سعد کے روضے سے قریبی فاصلے پر جانب مغرب واقع ہے۔(دیکھیے: تذکرۃ المخدومین، مفتی سید نجم الحسن خیرآبادی،ص:۱۳۰،فیض آباد،۱۹۸۶ء)

ہے۔ اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ وہی بزرگ جو تھوڑی دیر پہلے ایک عربی کتاب کا درس دے رہے تھے، اس طالب علم کے پاس سے گزر رہے ہیں۔ مطالعے میں اس کے انہماک کو دیکھ کر رک جاتے ہیں۔

''یہ کون بچہ ہے؟''

شیخ نے سامنے کھڑے ایک عالم دین سے دریافت کیا۔ لیکن قبل اس کے کہ مولانا کوئی جواب دیتے، شیخ نے طالب علم کی طرف متوجہ ہوکر براہ راست استفسار فرمایا:

''صاحب زادے! کیا نام ہے؟''

''میرا نام عبدالصمد ہے اور یوں لوگ مجھے صفی کہہ کر پکارتے ہیں۔''

''کہاں کے رہنے والے ہو؟''

''سائیں پور کا۔''

''تمھارے والد کا کیا نام ہے؟''

''مولانا علم الدین!''

''اچھا! تو میاں مولانا علم الدین کے صاحب زادے ہیں، جبھی تو!! بیٹا آپ کو اب کسی اور کے پاس پڑھنے کی ضرورت نہیں، آج سے آپ صرف مجھ سے پڑھا کریں گے۔''

''بیٹے! کھانا آپ مطبخ سے کھاتے ہو؟''

''جی حضور! کھانا مطبخ سے ہی کھاتا ہوں۔''

''اب آپ آج سے جو کچھ کھائیں گے، میری صحبت میں کھائیں گے۔''

طالب علم کی جیسے زندگی کی سب سے بڑی آرزو برآئی ہو۔ شیخ کی خصوصی

شاگردی اور صحبت جیسے اس کی زندگی کا سب سے بڑا انعام ہو۔ کچھ دنوں بعد شیخ نے اس طالب علم کو چلہ کشی کے لیے بٹھا دیا۔ علم و عرفان کے نئے جہان اس پر کھلتے گئے۔ اسے اجازت وخلافت سے بھی نواز دیا گیا۔ شیخ کی توجہات سے اس نوجوان کی ایسی مقبولیت ہوئی کہ لوگ اس سے بھی بیعت واستفاضے کے لیے آنے لگے۔ دوسری طرف نوجوان کی ہر دل عزیزی بعض یاران طریقت کی چشم معاصرت کا شکار ہوگئی۔ یہاں تک کہ شیخ کی خدمت میں شکایت پہنچی۔ لیکن اس وقت شیخ کا دریاے کرم جوش میں تھا۔ ارشاد ہوا:

''تم لوگ میرے صفی کی باتیں کیا کرتے ہو۔ عالم معاملہ میں میں انھیں اپنے پیرو مرشد کے ساتھ پاتا ہوں۔''(۱)

عارف میاں کے قلعے کی زیارت کے بعد ہم لوگ خیرآباد قصبے کے اندر درگاہ حافظیہ پہنچے۔ حافظ محمد علی خیرآبادی کی یہ درگاہ خیرآباد میں مخدوم صاحب کے بعد سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی دوسری شاخ کا دوسرا مرکز ہے۔ حافظ صاحب، خواجہ سلیمان تونسوی کے خلیفہ ہیں، جن کا سلسلہ حضرت کمال الدین علامہ اور خواجہ چراغ دہلی سے ہوتا ہوا سلطان جی تک پہنچتا ہے۔ یہ درگاہ بہت ہی عالی شان ہے۔ کہتے ہیں کہ مولانا فضلِ حق خیرآبادی نے جب وحدۃ الوجود پر اپنا رسالہ لکھا تھا تو اسے حافظ صاحب کی خدمت میں پیش کرنے گئے تھے اور حافظ صاحب کی عرفانی گفتگو سن کر انھوں نے اعتراف کیا تھا کہ سچ یہ ہے کہ ان مسائل پر گفتگو کا حق صرف آپ لوگوں کو ہی ہے۔ میں نے تو فقط فلسفیانہ نقطۂ نظر سے جو کچھ سمجھ میں آیا، لکھ دیا ہے۔

دہلی سے کتابوں کا کارواں دوسرے دن ساڑھے پانچ بجے صبح خیرآباد پہنچا۔ سب لوگ خدشات واضطرابات کا شکار تھے اور دل ہی دل میں سلامتی سفر کی دعائیں

---

(۱) سبع سنابل، میر عبدالواحد بلگرامی، مکتبہ قادریہ، لاہور، ۱۹۸۲ء، ص: ۸۰، ۸۱

کررہے تھے۔مجمع السلوک کو دیکھ کر جان میں جان آئی۔سب نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ یہ قافلہ کہرے کی رات میں بصحت وسلامت اپنی منزل پر پہنچ گیا۔خوب صورت، دیدہ زیب، اعلیٰ طباعت، عمدہ کاغذ، ہارڈ بائنڈنگ اور شان دار فلیپ دیکھ کر طبیعت باغ باغ ہو اٹھی۔صبح ۹ ؍بجے ضیاء میاں تشریف لائے۔ان کو دکھایا گیا۔اشک بار ہو گئے۔انھوں نے ناشتہ لگوایا۔محبوب میاں، جن پر رات کا خمار اب بھی طاری تھا، کہنے لگے کہ آج غریب اللہ کی یاد آرہی ہے۔غریب اللہ خانقاہِ عارفیہ کے ایک مست دیوانے ہیں جو اللہ ورسول کا ذکر سن کر بے ساختہ اللہ اللہ کی بلند ضرب لگا دیتے ہیں۔

ناشتے سے فارغ ہوئے کہ صاحبِ سجادہ حضرت شعیب میاں تشریف لے آئے۔فرمانے لگے کہ میں صرف یہ عرض کرنے آیا ہوں کہ آج جمعہ کی نماز حسن میاں پڑھائیں۔حسن میاں نے ٹالنے کی کوشش کی تو فرمایا کہ یہ میری خواہش اور گذارش ہے اور اگر آپ اس پر بھی قائل نہیں ہوتے تو اسے میرا حکم سمجھیں، لیکن نماز آپ ہی کو پڑھانی ہوگی۔ضیاء میاں نے کہا کہ یہ میرے دل کی بات تھی۔میں نے رات بھی حسن میاں سے اس کا اظہار کیا تھا اور خدا گواہ ہے کہ اس پر شعیب میاں سے ہماری کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ان کے دل میں بھی یہ بات آئی۔لہٰذا حسن میاں! آپ کو نماز پڑھانی ہی پڑے گی۔خطاب مولانا ضیاء الرحمٰن علیمی فرمادیں گے۔ازہری صاحب نے کہا کہ جمعہ بعد ضیا صاحب کو مجمع السلوک کے حوالے سے خطاب کرنا ہے، اس لیے جمعہ کا خطاب بھی حسن میاں ہی فرمائیں۔حسن میاں نے میرا نام لیا اور گاڑی آپ آپ پر آ کر رک گئی۔اسی دوران کسی نے شعیب میاں کو مجمع السلوک کی زیارت کرائی۔آنکھوں میں اشک خوشی تیرنے لگے۔کتاب کو چوما اور سر پر رکھ لیا۔اس منظر کو دیکھتے ہی محبوب میاں کی زبان سے اللہ اللہ کی وہ چیخ نکل پڑی جو خانقاہِ عارفیہ کے صحن میں عام طور پر غریب اللہ شاہ سے سنی جاتی ہے۔محبوب میاں کی اس ضرب نے

دلوں کو تہ و بالا کر دیا اور تمام حاضرین رقت و کیف میں ڈوب گئے۔

رات میں الہ آباد شہر سے اشفاق اور اس کے چند احباب آ گئے تھے۔ صبح سات بجے بہار سے چل کر ڈاکٹر جہاں گیر حسن مصباحی (مدیر ماہ نامہ خضرِ راہ الہ آباد) اور مولانا طارق رضا قادری (چیف انچارج الاحسان میڈیا، خانقاہ عارفیہ) بھی تشریف لے آئے۔ اس کے بعد لکھنؤ سے مولانا فیض العزیز مرادآبادی کا گروپ آ گیا۔ اس طرح خانقاہ عارفیہ کے وابستگان کی ایک اچھی تعداد جمع ہوگئی۔

تقریباً ۱۱ ربجے حضرت داعیِ اسلام تشریف لے آئے۔ آپ نمازِ فجر کے بعد خانقاہ سے چلے تھے۔ خواص مجمع السلوک دیکھ چکے تھے، حسن میاں اور ان کی ٹیم سے ملاقاتیں ہو چکی تھیں، مترجمِ مجمع السلوک مولانا ضیاء الرحمٰن علیمی سے لوگ نیاز حاصل کر چکے تھے۔ اب صرف خانقاہِ عارفیہ کے دولہا حضرت داعیِ اسلام کا انتظار رہ گیا تھا۔ ان کی آمد نے رونق و بہجت میں چار چاند لگا دیے۔ ضیاء میاں کا دمکتا چہرہ دیدنی تھا۔ ”ابو میاں آپ نے مجمع السلوک کی اشاعت سے جو کارنامہ انجام دیا ہے اس کے اظہار واعتراف کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔“ شعیب میاں کی محبت اور احسان شناسی کی کیفیت بھی کم نہ تھی۔ حضرت داعیِ اسلام بھی بہت خوش تھے۔ بہت پہلے انھوں نے کہا تھا کہ مجمع السلوک کی پہلی رونمائی مخدوم شیخ سعد قدس سرہٗ کے عرس میں کرنی ہے۔ آج ان کی یہ آرزو بر آئی تھی۔ ان کے دل کا جو عالم تھا اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنھیں حضرت مخدوم اور مجمع السلوک سے ان کے تعلقِ خاطر کا کچھ اندازہ ہے۔

ساڑھے بارہ بجے جمعہ کی اذان ہوئی۔ ایک بجے خطبہ تھا اور ۱۲:۴۵ پر خطاب کے لیے کھڑا ہونا تھا۔ جب بارہ پچاس ہو گئے تو ضیاء میاں نے خطاب کے لیے مجھے حکم دیا۔ میں نے اولیا کی عظمت کے حوالے سے ایک آیتِ کریمہ کی تلاوت کی اور کہا کہ اولیا قرآن کی زبان میں اللہ کے متقی بندے ہیں۔ شیخ سعد قدس سرہٗ جن کے

عرس میں آپ اور ہم حاضر ہیں انھی متقی بندوں میں سے ایک تھے۔ دریں اثنا حسن میاں تشریف لے آئے۔ میں نے کہا کہ جمعہ کی نماز کے بعد حضرت شیخ سعد خیرآبادی کی کتاب ''مجمع السلوک'' کی رونمائی ہونی ہے۔ یہ کتاب داعیِ اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی عرف ابومیاں سجادہ نشین خانقاہِ عالیہ عارفیہ، سید سراواں کے زیر سرپرستی اہلِ علم کی ایک ٹیم کے ذریعے تیار ہوئی ہے، جس ٹیم کی قیادت خانقاہ کے ولی عہد حضرت علامہ حسن سعید صفوی دام ظلہٗ نے کی ہے۔ میں حضرت سے گذارش کروں گا کہ اپنے نورانی بیان سے ہم اہلِ عقیدت کو فیض یاب کریں۔

حسن میاں نے مختصر وقت میں اہلِ بیت اور عترتِ رسول کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق جو شخص بھی قرآن اور عترتِ رسول سے وابستہ ہوگا وہ کبھی گم راہ نہ ہوگا۔ عترتِ رسول اہلِ بیت رسول بھی ہیں اور وہ وارثینِ رسول بھی ہیں، جن کی زندگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر قائم ہو۔ یقیناً وارث الانبیاء والمرسلین شیخ سعد خیرآبادی بھی اسی مقدس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔

نمازِ جمعہ کے بعد تقریبِ رونمائی کی مجلس مسجد کے بیرونی حصے میں منعقد ہوئی۔ پیچھے رونمائی کا بینر لگا دیا گیا۔ سامنے علما و مشائخ بیٹھ گئے اور ان کے چاروں طرف پروانوں کی جھرمٹ لگ گئی۔ ضیاء علوی صاحب نے نظامت سنبھالی اور تعارفی کلمات کے بعد مجمع السلوک کے مترجم مولانا ضیاء الرحمٰن علیمی کو دعوتِ سخن دی تا کہ وہ مجمع السلوک پر روشنی ڈالیں۔ پانچ سو سالہ اس تقریب میں مولانا ضیا بے حد جذباتی ہو گئے تھے۔ جذبات سے جی بھر آیا تھا۔ تاب گویائی نہ تھی۔ وہ اٹھے اور حسن میاں کے پاس جا کر ان کے کان میں کچھ کہا۔ حسن میاں مسکرائے اور کھڑے ہو گئے۔ حضرت شیخ سعد کے علم و فضل اور مجمع السلوک کی عظمت کے حوالے سے مختصر گفتگو کی۔ اب رونمائی ہونی

تھی۔آسمانِ علم وروحانیت کے چندے آفتاب اور چندے ماہ تاب اس بزم میں موجود تھے، جن میں داعیِ اسلام کے علاوہ شعیب میاں صاحب سجادہ نشین بڑے مخدوم صاحب،حضرت شاہ مینا لکھنوی کی درگاہ کے متولی راشد مینائی صاحب، پروفیسر مسعود انور علوی کاکوروی اور حضرت عین الحید رعرف ضیاء علوی کاکوروی، مولانا شبیہ انور علوی اور ڈاکٹر حافظ شبیب انور علوی بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔

حسن میاں کی نگاہیں کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔ پتہ چلا کہ مخدوم شاہ صفی صفی پوری کے موجودہ سجادہ نشین صمدی میاں اور ان کے برادرِ گرامی افضال میاں ہنوز نہیں پہنچے ہیں۔حسن میاں نے انہیں فون لگایا اور اتنے میں وہ حضرات بھی تشریف لے آئے۔ اب مجمع السلوک کی رونمائی ہوئی۔ مشائخ کھڑے ہوئے اور ان کے ساتھ مجمع بھی کھڑا ہو گیا۔ عجیب خروش تھا۔خوشیوں کا عجب عالم تھا۔کیف وسرشاری اپنے شباب پر تھی۔تقریبِ رونمائی کے معاً بعد بڑے مخدوم صاحب کے روضے کے سامنے محفلِ سماع شروع ہونی تھی۔ وہاں سارے مشائخ پہنچ گئے۔شعیب میاں نے قمر وارث کے نام کا تین بار اعلان کیا،مگر اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔اس حسین موقع پر جب کہ شیخ سعد کا ایک دیوانہ، عاشق صادق،شیخ کی کتاب کو تحقیق واشاعت کے صبر آزما مرحلوں سے گزار کر ان کی بارگاہ میں نذر کرنے کے لیے حاضر تھا،مناسب یہی تھا کہ نیاز مندی کے اس حسین اور تاریخی موقع پر نغمۂ تبریک اسی عاشق صادق کا قوال پیش کرے، جسے صحیح معنوں میں صوفیہ کا قوال کہا جا سکتا ہے۔قمر وارث کی اتفاقیہ غیر حاضری پر شعیب میاں نے چوتھی بار عبدالحفیظ کا نام لیا اور وہ اپنے ہم نواؤں کے ساتھ فوراً حاضر ہو گئے۔اس تاریخی موقع پر حسبِ حال انہوں نے مخدوم صاحب کی شان میں حضرت داعیِ اسلام کی معروف منقبت شروع کر دی، جس کے مطلع اور مقطع حسبِ ذیل ہیں:

مرادِ قلبِ ہر مرید شیخ سعد شیخ سعد
سکون وراحتِ مزید شیخ سعد شیخ سعد
اگر ہے مجمع السلوک کسی کی ذات بے شکوک
تو بس فقط ابوسعید شیخ سعد شیخ سعد

بڑی پر کیف، نشاط افروز اور حیات بخش محفل تھی۔ ہر ہر شعر عاشقوں کو مست و بے خود کیے جار ہا تھا۔ وجد ورقص اور آہ وزاری کا ایسا دل نواز منظر چشم سر نے کم دیکھا ہوگا۔ صاحب سجادہ حضرت شعیب میاں صاحب بھی زار وقطار رو رہے تھے۔ انھوں نے حضرت داعیِ اسلام کو گلے لگالیا اور دونوں بزرگ دیر تک روتے رہے۔ عجب اُنساہ، عجیب رقت، روحانیت اور اضطراب وطمانینت کا سماں تھا۔ آج ۵۰۰ ؍سال بعد حضرت شیخ کی کتاب پہلی بار شائع ہوکران کی بارگاہ میں پیش ہوئی تھی، آج ان کی روح کس قدر جھوم رہی ہوگی۔ ہاتفِ غیبی نے ندا دی، دیکھووہ سامنے وہی بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں جو اس مقام پر آج سے پانچ سو سال قبل ''الرسالۃ المکیۃ'' کا درس دے رہے تھے۔ ان کی چہرے کی تابانی تو دیکھو جس پر آفتاب نیم روز کی کرنیں بھی شرمندہ ہیں۔ آج شیخ بہت خوش ہیں اور اپنے غلاموں کی اس احسان شناسی پر ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعائیں دے رہے ہیں۔ شاید انھوں نے ہی عالمِ معاملہ میں شعیب میاں کو اشارہ کیا ہوگا۔ شعیب میاں نے فوراً مزارِ اقدس کی ایک خوب صورت چادر منگوائی اور حضرت داعیِ اسلام کے گلے میں ڈال کر ایک بار اور لپٹ گئے اور رونے لگے۔ ذرا جوشِ سینہ تھما تو مولانا ضیاء الرحمٰن کو طلب کیا اور ایک دوسری چادر ان کے گلے میں ڈال دی۔ یہ بندۂ خدا بھی عجیب قلندر ہے، رورو کر بے حال ہو رہا تھا۔ اس وقت پھر مجھے خیال آیا کہ اگر مجھ جیسا پتھر دل اس محفل میں کچھ نرم سا ہو رہا ہے تو یقیناً اس محفلِ ذکر کو ملائکۂ رحمت نے اپنے پروں سے ڈھانپ لیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہِ

التفات اور اولیائے صالحین کی روحانیت متوجہ ہے اور بطورِ خاص حضرت مخدوم صاحب کی دعائیں اور مسرتیں شاملِ حال ہیں۔

محفلِ سماع کا تسلسل وقفۂ عصر کے علاوہ جاری رہا۔ دھیرے دھیرے پورا احاطہ عاشقوں کے ہجوم سے بھرتا چلا گیا۔ میں اس وقت شاہ صفی اکیڈمی کے اسٹال پر بیٹھا ہوا تھا۔ صفی پور کے نیاز میاں بھی آ گئے۔ اسٹال پر لگے مجمع السلوک کے تازہ نسخوں کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگے۔ اس وقت ان کی زبان سے ایک تاریخی جملہ نکلا:

''اپنے سلسلے میں ایک کتاب تھی فوائد الفواد۔ اب دو کتابیں ہوگئیں۔''

عرس کے دوران میں نے یہ بھی نوٹ کیا کہ اب زائرین نمازوں کی بھی پابندی کرنے لگے ہیں۔ لیکن نمازیوں کی تعداد کے پیشِ نظر جگہ تنگ ہے اور طہارت خانے کم ہیں۔ متولیان کو اس پر بھی توجہ دینی چاہیے۔ اب عالی شان مسجد کی تعمیر بھی ضروری ہوگئی ہے۔ عصر و مغرب کے مابین قل کی محفل ہوئی اور نمازِ مغرب کے بعد ہم لوگ خیرآباد سے الہ آباد کے لیے روانہ ہو گئے۔ کاش ان آبادیوں کی برکت سے کبھی دل اللہ آباد ہو جائے!

راستے بھر اس تاریخی تقریب کی حسن آرائیوں کا چرچا رہا۔ آج ۱۸/ دسمبر ہے۔ سوچتا ہوں تو سب کچھ خواب سا لگتا ہے۔ مولانا فہد نے واپسی پر بتایا کہ شعیب میاں کہا کرتے ہیں کہ ابو میاں سلسلۂ صفویہ کے مجدد ہیں اور انھوں نے پیروں کو پیر بنا دیا ہے۔ مگر سوال ہے کہ کیا ماضی لوٹ پائے گا؟ لوٹنا مشکل ہے، بہت مشکل، شاید ناممکن۔ کیا داعی اسلام اپنے پیرانِ عظام کے مشن کو زندہ کر پائیں گے؟ کیا حالات انھیں کچھ کرنے کا موقع دیں گے؟ جو انقلاب انھوں نے اپنے سلسلے کی حد تک برپا کیا ہے، کیا اس انقلاب میں وسعت و آفاقیت پیدا ہوگی؟؟؟ یہ اور اس طرح کے وہ سوالات ہیں جو دل و دماغ کو پریشان کیے ہوئے ہیں۔ امید و بیم کی کشاکش ہے اور

میں ہوں۔خوش فہمیوں کی جنت کی سیر کرنا اور ناامیدیوں کے صحرا میں بھٹکنا، اہل نظر کا شیوہ نہیں، البتہ مومن اللہ کی رحمتوں سے مایوس کب ہوتے ہیں!

رہے نام اللہ کا!!

○○○

ایک نورانی سفر

مولانامحمد مدبر سعیدی

عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک تقریب کی تیاری کے دوران جب مجھے پتہ چلا کہ خانقاہ عالیہ عارفیہ سے ایک قافلہ شہنشاہ ولایت مخدوم شیخ سعدالدین قدس سرہ کے عرس مبارک میں حاضری کی غرض سے روانہ ہونے والا ہے تو میں نے ولی عہد مخدومنا حضرت حسن سعید صفوی مدظلہ سے التماس کی کہ مجھ گنہگار کو بھی اپنے ساتھ اس قافلے میں شامل کر لیں۔ یہ آپ ہی کا کرم تھا کہ مجھے اس مبارک اور تاریخی سفر میں جانے کا موقع ملا۔

سفر کی ابتدا سے پہلے مجھے میرے مرشد گرامی داعی اسلام شاہ احسان اللہ محمدی مدظلہ العالی نے ایک عظیم نعمت سے نوازا۔ بظاہر یہ تعلیم عتاب کی صورت میں تھی، مگر ؎

لطف نہان یار کا مشکل ہے امتیاز
رنگت چڑھی ہوئی ستم برملا کی ہے

مرشد گرامی کی اجازت اور دعاؤں کے ساتھ ۱۵؍دسمبر ۲۰۱۶ء بروز جمعرات ساڑھے گیارہ بجے دن میں اس قافلے نے خانقاہ عالیہ عارفیہ سید سراواں شریف سے کوچ کیا۔ یہ قافلہ دو گاڑیوں کی شکل میں تھا اور اس قافلے کے امیر حضرت مخدوم حسن سعید صفوی ازہری تھے۔ آپ کی معیت میں جو حضرات اس قافلے میں شامل تھے ان

کے اسما مندرجہ ذیل ہیں: حضرت محبوب اللہ بقائی صاحب، حضرت مولانا ضیاء الرحمن علیمی، حضرت مولانا ذیشان احمد مصباحی، حضرت مولانا غلام مصطفی ازہری، حضرت مولانا مجیب الرحمن علیمی، مولوی اختر رضا تیواری، مولوی اختر تابش۔

مغرب کے وقت ہمارا قافلہ خیرآباد شریف پہنچا۔ نماز کی ادائیگی کے بعد قطب عالم مخدوم شیخ سعد الدین قدس سرہ کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ حاضری کے بعد درگاہ شریف کے صاحب سجادہ شعیب میاں اور حضرت ضیا علوی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ قیام ضیا علوی صاحب کے گھر رہا۔ ناشتہ اور کھانے کے بعد چھوٹے مخدوم حضرت سید نظام الدین الہدیہ قدس سرہ کے مزار اقدس کی حاضری اور فاتحہ خوانی کے لیے ہم لوگ روانہ ہوئے۔ وہاں حاضری اور فاتحہ خوانی کے بعد گاگر کی محفل میں شرکت کی اور اس کے بعد اپنی قیام گاہ لوٹ آئے اور رات کی محفل میں شرکت کی۔ جب ہمارے یہاں کے درباری قوال عبدالحفیظ بھائی نے قصیدہ بردہ شریف پڑھنا شروع کیا تو محفل میں گویا آگ لگادی ہو۔ جسے دیکھو وہی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر تڑپ رہا تھا، رو رہا تھا۔ حضرت محبوب اللہ بقائی صاحب وجد کی کیفیت میں رقص کر رہے تھے۔ پھر قوال نے مخدوم شیخ سعد قدس سرہ کی غزل ''نشاں بر تختۂ ہستی'' پڑھی تو مخدومنا حضرت حسن سعید صفوی صاحب فرط وجد میں تڑپنے لگے۔ دوسرے شعر پر مولانا ضیاء الرحمن صاحب حالت وجد میں رقص کرنے لگے۔ بڑی نورانی محفل تھی۔ مخدوم صاحب قدس سرہ کے فیض کی بارش ہو رہی تھی اور اہل دل اپنے ظرف کے مطابق خود کو سیراب کیے جا رہے تھے۔

محفل سماع کے بعد ہم لوگ اپنی قیام گاہ پر لوٹ آئے۔ فجر سے کچھ قبل مولانا شوکت علی سعیدی اور جناب سمیر صاحب دہلی سے بذریعۂ کار مجمع السلوک شریف کو لے کر حاضر ہوئے۔ جب مجمع السلوک شریف کی زیارت ضیاء میاں اور صاحب سجادہ شعیب میاں اور محبوب میاں نے کی تو اسے سر پر رکھ کر رونے لگے اور اللہ اللہ کا نعرہ

بلند کرنے لگے۔ایک عجیب سی کیفیت ہم سب پر طاری ہوگئی۔

جمعہ سے پہلے مرشدنا حضور داعی اسلام شاہ احسان اللہ محمدی مدظلہ العالی علما اور طلبہ کے ہمراہ خیرآباد تشریف لے آئے۔ ڈاکٹر جہانگیر مصباحی ،مولوی طارق رضا سعیدی بھی اپنے وطن سے خیرآباد آ گئے۔مولانا فہد سعیدی پہلے ہی سے وہاں موجود تھے۔ جمعہ میں خطابت اور امامت کے فرائض مخدومنا حضرت حسن سعید صفوی نے انجام دیے اور بعد نماز جمعہ وہ وقت آیا جس کا ارباب دل کو برسوں سے انتظار تھا۔ان کے قلوب زبان حال سے یہ کہہ رہے تھے:

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ
سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

یہ کتاب اہل تصوف کے لیے دستور العمل کی حیثیت رکھتی ہے۔اس کتاب کے اردو ترجمے کی اشاعت کا جو کام صدیوں میں نہ ہو سکا،اس کام کے لیے اللہ رب العزت نے مرشد گرامی حضور داعی اسلام شاہ احسان اللہ مدظلہ العالی کا انتخاب فرمایا۔ آپ نے یہ کام مولانا ضیاالرحمن علیمی کے سپرد کیا اور ان کی معاونت مخدومنا حضرت حسن سعید صفوی،مولانا غلام مصطفیٰ ازہری،مولانا ذیشان احمد مصباحی اور علما کی ایک جماعت نے فرمائی۔مرشد گرامی حضور داعی اسلام شاہ احسان اللہ محمدی مدظلہ العالی کی ظاہری و باطنی امداد سے شاہ صفی اکیڈمی کی ٹیم نے ۵ /۶ سال مسلسل محنت کر کے اس عظیم کارنامے کو انجام دیا۔آج اس کتاب کی رونمائی کی محفل میں مرشدنا حضور داعی اسلام شاہ احسان اللہ محمدی مدظلہ العالی،درگاہ مخدوم شیخ سعد قدس سرہ کے صاحب سجادہ شعیب میاں، ضیا علوی صاحب، ڈاکٹر مسعود انور علوی اور ان کے برادر زادگان، محبوب اللہ بقائی ،صمدی میاں،افضال میاں اور دیگر خانقاہوں کے صاحب سجادہ موجود تھے۔اس محفل میں ضیا میاں نے اس کتاب کے متعلق اپنی کیفیات بیان کی

اور مرشد گرامی کو اس کتاب کے چھپوانے کے لیے مبارک باد پیش کی اور ان کا شکریہ ادا کیا۔ پھر مخدومنا حضرت حسن سعید صفوی دام ظلہ نے حضرت قطب عالم شیخ سعد الدین خیر آبادی قدس سرہ کی شخصیت، ان کی خدمات، ان کے مقام اور ان کی کتاب مجمع السلوک کے متعلق جامع خطاب فرمایا۔ آپ کے خطاب کے بعد مجمع السلوک شریف کی رونمائی کی رسم ادا کی گئی۔ محفل کا اختتام مشائخ کی دعاؤں پر ہوا۔

محفل رونمائی کے بعد سماع کا انعقاد ہوا جس کا آغاز عبدالحفیظ بھائی نے مرشد گرامی کی منقبت ''مراد قلب ہر مرید مخدوم شیخ سعد'' سے کیا تو محفل جذب و کیف میں ڈوب گئی۔ سب پر کیفیت طاری ہوگئی۔ شعیب میاں، ضیا علوی صاحب، محبوب اللہ بقائی، ضیا الرحمن علیمی صاحب مصروف آہ و بکا تھے۔ مرشد گرامی پر بھی گریہ طاری تھا۔ ایسا لگ رہا تھا مخدوم صاحب قدس سرہ کے فیض کا دریا جوش پر ہے اور سب اس میں ڈوب گئے ہیں۔ دوران محفل عصر کا وقت ہو گیا اور سماع روک کر اذان دی گئی۔ پھر سب نے با جماعت عصر کی نماز ادا کی۔ بعد نماز عصر قل کی فاتحہ ہوئی۔ فاتحہ کا اختتام مشائخ کی دعاؤں پر ہوا۔ قل کی فاتحہ کے بعد مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا۔ نماز کے بعد مرشد گرامی کی اجازت اور دعاؤں کے ساتھ ہم سید سراواں شریف واپس ہو گئے۔

رات ساڑھے گیارہ بجے ۱۶ / دسمبر ۲۰۱۶ء کو ہم خانقاہ عالیہ عارفیہ واپس لوٹ آئے۔ میں اپنے نصیب پر جتنا ناز کروں کم ہے کہ مجھ جیسے ناکارہ اور ناچیز کو اس بابرکت، پر سعادت اور تاریخی سفر کا حصہ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ سب میرے مرشد کا کرم ہے۔ اللہ پاک ہمارے مرشد کی عمر دراز فرمائے۔ انھیں صحت و تندرستی عطا فرمائے۔ ان کے فیض سے سارے عالم کو فیض یاب فرمائے۔ ان کے قدموں میں زندگی عطا فرمائے۔ ان کے قدموں میں موت عطا فرمائے اور ان کے قدموں میں ہی ہمارا حشر و نشر ہو۔ آمین یارب العالمین بحرمۃ شیخنا الکریم!

○○○





صاحب زادہ داعی اسلام شیخ حسن سعید صفوی سید ضیا علوی سے محو گفتگو



مترجم مجمع السلوک مولانا ضیاء الرحمٰن علیمی انٹرویو دیتے ہوئے



حضرت مخدوم شیخ سعد الدین خیرآبادی کی بارگاہ میں



رسم اجرا کی محفل میں

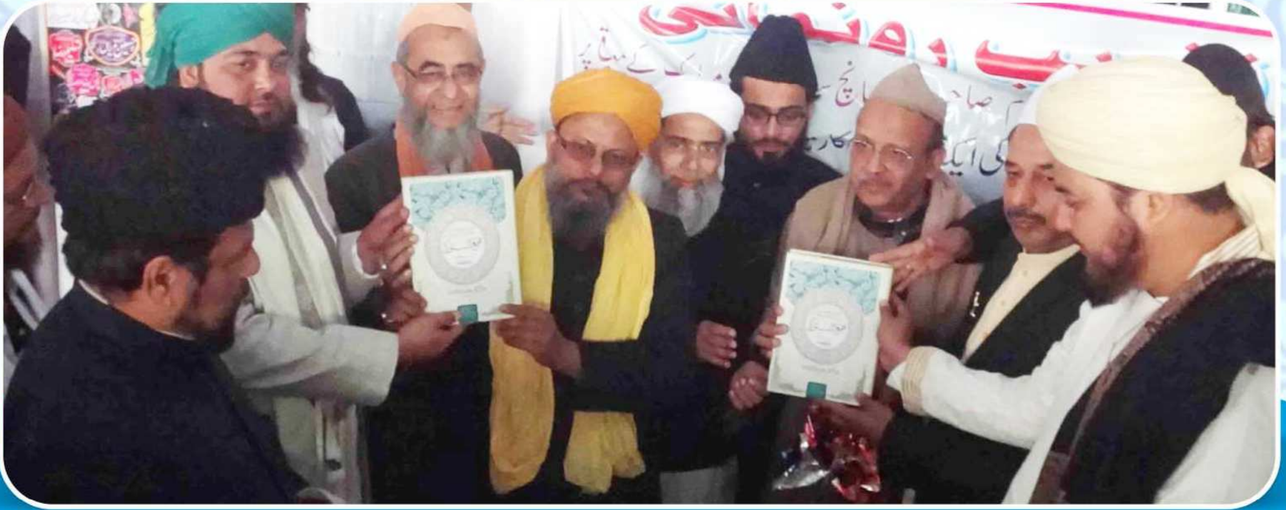


سید معین علوی مجمع السلوک پر روزنامہ انقلاب میں شائع ضمیمہ دکھاتے ہوئے



رسم اجرا کی محفل میں

Khanqah e Arifia, Saiyed Sarawan, Allahabad, U.P. India 212213.



مجمع السلوک کے رسم اجرا کا منظر



سید ضیا علوی صاحب رسم اجرا کی محفل میں خانقاہ عارفیہ کے اس تاریخی اقدام پر ہدیہ تبریک پیش کرتے ہوئے



سجادہ نشیں خانقاہ خیرآباد حضرت شعیب میاں مجمع السلوک کی اشاعت پر رب کا شکر ادا کرتے ہوئے